رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تُو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔

ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

# آبگینے

خواتین کا علمی، ادبی معاشرتی و مذہبی
سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

## مُدِیرَہ

## مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب | انچارج بچوں کا گلستان / پکوان

حمیرا نگہت | عیشۃ الراضیہ عباسی

## زیر انتظام عباسی اکیڈیمی

## سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

شمارہ اکتوبر 2021

جلد 3 شمارہ 2

صفر / ربیع الاوّل

هُـــــو النـاصر

خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ

ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے     ٹھیس لگ جائے ذراسی تو صدا کرتا ہے


# آبگینے

ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ

خواتین کا علمی، ادبی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

جلد 3 شمارہ 2 – اکتوبر 2021 – صفر/ربیع الاوّل



## مدیرہ

مدثرہ عباسی

## انچارج گوشۂ ادب

حمیرا نگہت

## انچارج بچوں کا گلستان / پکوان

عیشۃ الراضیہ عباسی

اپنی تمام تحریریں اور قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں

aabgeene6@gmail.com
m.abbasi.uk@gmail.com

www.aabgeenei.com


لندن سے جاری ہونے والا

ماہنامہ آبگینے آپ کا اپنا رسالہ ہے اسکی اشاعت و ترویج میں بھرپور حصہ ڈالیئے

# فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| درس القرآن | 3 |
| اداریہ | 4 |
| حضرت ریحانہ رضی اللہ عنھا | 5 |
| اصحاب الجنۃ | 8 |
| خدا کے خلاف جنگ نہ کریں...ورنہ | 10 |
| نیکی کو نیکی کی خاطر کرنا چاہیے | 12 |
| الکاسب حبیب اللہ | 14 |
| سکون قلب | 18 |
| علم ریاضی کی ترقی میں مسلمانوں کا کلیدی کردار | 19 |
| قوم تبع کے بارے میں | 23 |
| حجاب عورتوں کے تحفظ کا وعدہ | 26 |
| سمندر | 27 |
| انوکھا جوڑا | 28 |
| بوڑھا مرد | 29 |
| نئی منزلیں آواز دیتی ہیں | 30 |
| موت کے سوداگر یا پھر... | 31 |
| گلاب اور انسان | 32 |
| وہ مائیں جو باپ بھی ہیں | 33 |
| یہ مقام ہے بابا عشق کا، یہاں ننگے پاؤں چلا کرو | 35 |
| فیک نیوز: جھوٹے بول میں جادو ہے | 38 |
| ماں بنی تو ماں کی قدر نہ کرنے کا پچھتاوا | 39 |
| مضامین میں مذہبی مواد کی موجودگی یکساں قومی نصاب کا حصہ نہیں | 40 |
| صنفی جرائم: ہمیں دقیانوسی خیالات سے جان چھڑانی ہوگی | 41 |
| کچن کی غلامی یا... | 43 |
| سائبر کرائم کی شکایت کیسے کی جائے؟ | 44 |
| آگے بڑھنے میں بچیوں کی حوصلہ افزائی کریں | 45 |
| رشتے ناطے کھو گئے تو کدھر جائیں گے | 46 |
| پاگل کتوں کا راج اور ہمارا مائنڈ سیٹ | 47 |
| ڈبے کے دودھ کی بجائے ماں کا دودھ بچے کے دل کو توانا رکھتا ہے | 48 |
| قیمہ بنانے کی ذائقہ دار ترکیبیں | 49 |
| کون سا قہوہ کس مرض کا علاج ہے؟ | 50 |
| شعر و شاعری | 11-13-17-25<br>28-42-46-48-50 |



زیر انتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ     محی الدین عباسی

# درس قرآن کریم

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ۝ وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝

(سورۃ النساء آیات 35 تا 36)

## ترجمہ:

مرد عورتوں پر نگران ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر بخشی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے اموال (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک عورتیں فرمانبردار اور غیب میں بھی ان چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں جن کی حفاظت کی اللہ نے تاکید کی ہے۔ اور وہ عورتیں جن سے تمہیں باغیانہ رویے کا خوف ہو تو ان کو (پہلے تو) نصیحت کرو، پھر ان کو بستروں میں الگ چھوڑ دو اور پھر (عند الضرورت) انہیں بدنی سزا بھی دو۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے خلاف کوئی حجت تلاش نہ کرو۔ یقیناً اللہ بہت بلند (اور) بہت بڑا ہے۔

اور اگر تمہیں ان دو (میاں بیوی) کے درمیان شدید اختلاف کا خوف ہو تو اس (یعنی خاوند) کے گھر والوں میں سے ایک صاحبِ حکمت فیصلہ کرنے والا اور اس (یعنی بیوی) کے گھر والوں میں سے ایک صاحبِ حکمت فیصلہ کرنے والا مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ یقیناً اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) خوب باخبر ہے۔

## تفسیر:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ کا ایک ظاہری معنی تو یہ ہے کہ مرد عموماً عورتوں سے زیادہ مضبوط اور ان کو سیدھی راہ پر قائم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اگر مرد قَوّٰمُوْنَ نہیں ہوں گے تو عورتوں کے بھٹکنے کا امکان زیادہ ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مرد قوّام ہیں جو اپنی بیویوں کے خرچ برداشت کرتے ہیں۔ وہ نکھٹو جو بیویوں کی آمد پر پلتے ہیں وہ ہرگز قوّام نہیں ہوتے۔ آیت کے آخری حصہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر تم قوّام ہو اور اس کے باوجود تمہاری بیوی بہت زیادہ باغیانہ روح رکھتی ہے تو اس صورت میں یہ اجازت نہیں کہ اس کو فوری طور پر بدنی سزا دو بلکہ پہلے اسے نصیحت کرو۔ اگر نصیحت سے نہ مانے تو ازدواجی تعلقات سے کچھ عرصہ تک احتراز کرو۔ (دراصل یہ سزا عورت سے زیادہ مرد کو ہے۔) اگر اس کے باوجود اس کی باغیانہ روش دور نہ ہو تو پھر تمہیں اس پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے مگر اس کے متعلق رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسی ضرب نہ لگے جو چہرہ پر ہو اور جس سے اس پر کوئی داغ لگ جائے۔ اس آیت کریمہ کے حوالہ سے بہت سے لوگ اپنی بیویوں پر ناجائز تشدد کرتے ہیں کہ مرد کو بیوی کو مارنے کی اجازت ہے حالانکہ اگر مذکورہ بالا شرائط پوری کریں تو بھاری امکان ہے کہ کسی تشدد یا سختی کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اگر تشدد جائز ہوتا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بیویوں پر بدنی تشدد کی کوئی ایک ہی مثال نظر آجاتی۔ حالانکہ بعض بیویاں بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب بھی بن جاتی تھیں۔

## حدیث:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اُٹھ کر نماز پڑھتے یہاں تک کہ آپصلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں متورّم ہو کر پھٹ جاتے۔ ایک دفعہ میں نے آپصلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسولصلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں اتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپصلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے سب قصور معاف فرما دیئے ہیں؟ یعنی ہر قسم کی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھنے کا ذمہ لے لیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں یہ نہ چاہوں کہ اپنے ربّ کے فضل و احسان پر اس کا شکرگزار بندہ بنوں۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الفتح)

# اداریہ

# ایک پُرسکون گھر

مدثرہ عباسی
مدیرہ

آج جب میں نے گھر کے بارے میں لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو احساس ہوُا کہ اس لفظ میں چُھپے اور ڈھکے اتنے مضامین ہیں کہ اب یہ سوچ کہ لکھوں تو کس پر لکھوں۔ پہلی چیز تو جو ذہن میں آتی ہے وہ گھر کی بنیاد، اس کی تعمیر، قدیم ہے، نیا ہے، علاقہ کیسا ہے، کہاں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ گھر کا حجم چھوٹا ہے، اگر چھوٹا ہے تو کیا ضروریات پوری کرسکتا ہے پھر اگر بڑا ہے تو کتنا بڑا ہے کہ کیا یہ گھر آرامدہ ہے، شاندار ہے، وسیع ہے، پرسکون ہے، اس میں کون کون سی سہولیات موجود ہیں۔

انگریزی میں بھی گھر بیان کرنے کے لئے بے تحاشہ الفاظ ہیں یعنی کہ:

Cosy, rustic, vintage, Minimalistic, luxurious, glamorous,contemporary,elegant,stylish,specious, artistic nature and so on..............

پھر گھر کے مکین ہیں جو مکان کو گھر بناتے ہیں یعنی کہ ہر گھر کو ایک سربراہ کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ ساتھ جس گھر کے افراد ایک دوسرے کی خوبیوں کو اجاگر کرنے والے اور خامیوں سے صرف نظر کرنے والے، باہمی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں پر جوش اور اپنے حقوق کے بارے میں ایثار آشنا، ایک دوسرے کو درگذر کرنے والے اور حلم کے پیکر ہوں، صبر کے عادی اور شکر سے متّصف ہوں ایسا گھرانہ سکون اور اطمینان محبت اور جنت نظیر معاشرہ کہلا سکتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ کسی بھی قوم کی صحت مند تعمیر اور مثبت ترقی میں اصل اور بنیادی کردار اس قوم کے مقتدر حلقوں اور حکمرانوں کا نہیں ہوتا بلکہ اس قوم کی اکائیوں یعنی گھر کے سربراہوں کا ہوتا ہے، گھر کے سربراہ کا حسن ہی قوم کا حسن ہے۔ گھر ایک چھوٹی سی مملکت ہے جس کی سرحدیں میاں بیوی اور بچے ہوتے ہیں۔ میاں کی حیثیت اگر صدر کی ہے تو بیوی کو وزیر اعظم خیال کیجیے، جب کہ بچوں کا معاملہ رعایا کا سا ہے۔ اس چھوٹی سی سلطنت کی مضبوطی گھر کے تمام افراد کے درمیان مہر و محبت اور انس و پیار سے ہوتی ہے۔ اگر گھروں کے اندر یہ بات پیدا ہوجائے تو اچھی ریاست وجود میں آجاتی ہے۔ غرض کہ میاں اور بیوی گھر کی چھوٹی سی مملکت کو بناتے اور سنوارتے ہیں اور ان دونوں کے تعاون سے گھر بنتا ہے یا بگڑتا ہے۔ دونوں اگر ایک دوسرے کے دست و بازو بنیں گے اور مل جل کر بچوں کی تعلیم و تربیت کریں گے تو وہ گھرانا جنت نظیر بن جائے گا یاد رکھیے حسن سلوک ہو یا دعوت و تبلیغ، اس کے اولین حق دار اہل و عیال ہوتے ہیں۔ گھر کے افراد کے مل جل کر رہنے سہنے سے ہی معاشرتی زندگی کی داغ بیل پڑتی ہے اور عقیدہ و فکر کی یکسانی سے ہی کوئی قوم وجود میں آتی ہے۔ جس طرح کسی دیوار کی تعمیر میں ہر اینٹ اہمیت رکھتی ہے، اسی طرح قوم کی تعمیر و ترقی میں ہر فرد کی حیثیت مسلم ہے اور افراد کی تعلیم و تربیت کا پہلا مرکز گھر ہے۔ انسان کے لیے گھر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ ہم جب اپنے چاروں اطراف نظر دوڑاتے ہیں تو کتنے ہی لوگ ایسے نظر آئیں گے، جو گھر جیسی نعمت سے محرومی کی وجہ سے سڑکوں کے کناروں اور پارکوں میں پڑے راتیں بسر کرتے ہیں یا چھت کی عدم دستیابی کے سبب خیموں میں زندگی کے دن گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں گھر کی سہولت جیسی نعمت کا احساس دوچند ہوجاتا ہے اور اگر یہ نعمت خداوندی ہمارے پاس موجود ہے تو اس پر اللہ تعالی کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس اعتبار سے گھر کے سرپرست پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے نجات کا سامان کرسکتا ہے اور روزِ قیامت اپنی مسوئلیت سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ گھریلو معاملات کی اصلاح اور اولاد وغیرہ کی دینی و اخلاقی تربیت گھر کے سرپرست کی ذمہ داری ہے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا، آپ کی تمام ضروریات کا مظہر ہو مگر ایسا گھر نہ ہو جو صرف دکھاوا بن جائے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک عورت نے انگوٹھی بنوائی اور اس کے اظہار کے لئے بہت طریق استعمال کئے مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ آخر اُس نے اپنے گھر کو آگ لگا دی۔ جب لوگ دوڑ کر آگ بجھانے کے لئے آئے تو اتفاقاً ایک عورت کی انگوٹھی پر نظر پڑ گئی۔ اُس نے کہا بہن یہ انگوٹھی تم نے کب بنوائی تھی۔ اس نے کہا کم بخت اگر تو اس کے متعلق پہلے ہی پوچھ لیتی تو میرا گھر کیوں جلتا۔ ایسا تو کوئی بیوقوف ہوگا جو ایک انگوٹھی کے دکھانے کے لئے اپنے گھر کو آگ لگا دے مگر ہاں اس حکایت کے بنانے والے نے اس سے یہ ظاہر کیا ہے کہ انسانی فطرت میں یہ بات ہے کہ وہ اپنی اچھی چیز کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس جب انسانی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے اور پھر مذہب خدا کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے تو جس کے پاس یہ ہو، اس کے دل میں اس کے ظاہر کرنے کے لئے کم از کم اس عورت جتنا تو جوش ہونا چاہیئے، جس نے انگوٹھی دکھانے کے لئے اپنے گھر کو آگ لگا دی تھی۔ جس کے پاس سچا مذہب ہو، اسے تو اس وقت تک چین نہیں آنا چاہیئے جب تک کہ اپنے مذہب کا اظہار دوسروں پر نہ کرلے۔

(خطباتِ محمود جلد ۵ صفحہ ۳۲۸ بحوالہ الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۱۶ء)

❀❀❀

# حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

## حضرت ریحانہؓ کے بارہ میں اختلاف

زمانہ کے لحاظ سے حضرت ریحانہؓ کا ذکر 6ہجری میں اور ترتیب کے لحاظ سے حضرت جویریہؓ کے بعد آتا ہے۔لیکن ان کے بارہ میں پائے جانے والے اختلاف کے باعث اس بحث کو رکھا گیا۔آخر میں ان کے بیان کی وجہ یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ قطعی طور پر ازواج میں شامل ہیں یا نہیں؟اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ کنیز تھیں اسلئے اس کتاب میں ان کا ذکر نہ کر کے اس اعتراض کو لاجواب بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ کتب سیر میں جن خواتین کے رسول اللہ ﷺ سے منسوب رہنے کے بعد اور آپؐ کے حرم میں شامل ہونے سے پہلے طلاق یا وفات پانے کا ذکر ہے ان کو ازواج کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔بہر حال یہ بات نہایت اہم ہے کہ تاریخ میں کسی اور خاتون کی بطور زوجہ رسول اللہ ﷺ موجودگی کا اسطرح ذکر نہیں ملتا جس طرح حضرت ریحانہؓ کا۔اس تاریخی ریکارڈ کا خلاصہ یہ ہے۔

(1)حضرت ریحانہؓ کا حق مہر قریباً بارہ اوقیہ رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمایا۔اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے مطابق لونڈی یا ملکِ یمین اور زوجہ کے درمیان مابہ الامتیاز حق مہر ہے۔پس حضرت ریحانہؓ بھی حرم میں شامل تھیں نہ کہ کنیز۔

(2) حضرت ریحانہؓ کے نکاح اور رخصتی کے بعد طلاق کا ذکر بھی ملتا ہے۔لونڈی کی صورت میں طلاق کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔پس حضرت ریحانہؓ زوجہ رسولؐ تھیں۔

(3) آنحضور ﷺ کا حضرت ریحانہؓ کے لئے الگ رہائش کا انتظام اور دیگر ازواج جیسی باری کی تقسیم بھی ان کے زوجہ ہونے پر دلیل ہے۔

(4)حضرت صفیہؓ کی طرح حضرت ریحانہؓ سے بھی رسول اللہ ﷺ کا ازواج النبیؐ کی طرح پردہ کروانا بھی ان کے زوجہ ہونے کی واضح علامت ہے۔

(5)اسیر جنگ ہونے کے لحاظ سے اگر صفیہؓ اور جویریہؓ سے گہری مماثلت کے باوجود حضرت ریحانہؓ کو زوجہ تسلیم نہ کیا جائے تو تینوں کو کنیز ماننا پڑیگا کیونکہ تینوں جنگی قیدی اور اموال فے میں سے تھیں۔

جہاں تک رسول اللہ ﷺ سے منسوب دیگر خواتین کا ذکر ہے۔اِن میں سے کسی ایک میں بھی حضرت ریحانہؓ والی خصوصیات موجود نہیں کیونکہ یا تو ان خواتین سے نکاح ہی نہیں ہوا،صرف پیغام کے بعد معاملہ ختم ہوا جیسے ام شریک،خولہ بنت الھذیل،اسماء بنت الصلت،اسماء بنت النعمان،آمنہ،ام حرام وغیرہ یا بعض ایسی تھیں کہ باقاعدہ رخصتی عمل میں آنے سے پہلے ہی اور طلاق ہوگئی جیسے عمرۃ بنت یزید بن الجون،عالیہ بنت ظبیان وغیرہ ان میں سے کسی کو بھی رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کا موقع نہیں ملا۔اور کسی مؤرخ یا سیرت نگار نے بھی ان کو حضرت ریحانہؓ کی طرح زوجہ قرار نہیں دیا۔

علامہ ابن الاثیر اس بارہ میں لکھتے ہیں:۔ ”ایسی خواتین جن کی رسول کریمؐ کے ہاں رخصتی نہیں ہوئی یا محض پیغامِ نکاح بھجوایا اور عقد مکمل نہ ہوا یا کسی عورت نے آپ سے پناہ چاہی اور آپؐ نے طلاق دے دی تو ان امور میں بہت اختلاف ہے جس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔“

ان خواتین کے مقابل پر حضرت ریحانہؓ کے زوجہ ہونے کا ذکر مؤرخ طبری و ابن سعد،محدث ابن الجوزی اور شارح بخاری علامہ ابن حجر نے انکی مذکورہ خصوصیات کی بناء پر کیا ہے۔

## نام ونسب

حضرت ریحانہؓ بنت زید بن عمرو بن خنافہ کی بیٹی تھیں جن کا تعلق مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو نضیر سے تھا۔ان کی شادی بنو قریظہ کے ایک یہودی حکم نامی سے ہوئی تھی جو غزوہ بنو قریظہ میں مارا گیا۔اس لحاظ سے بعض نے آپ کو بنو قریظہ میں بھی شمار کیا ہے۔

## بنو قریظہ کی غداری

اس جگہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ بنو قریظہ کی غداری اور مدینہ سے یہودی جلاوطنی کا مختصراً ذکر ضروری ہے۔آنحضرت ﷺ جب غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر گھر واپس تشریف لائے تو ابھی آپؐ بمشکل ہتھیار وغیرہ اتار کر نہانے دھونے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ایک فرشتہ کے ذریعہ یہ ارشاد ہوا” جب تک بنو قریظہ کی غداری اور بغاوت کا فیصلہ نہ ہوجائے آپؐ کو ہتھیار نہیں اتارنے چاہئیں تھے۔“ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو صحابہ کے ایک دستے کے ساتھ فوراً بنو قریظہ کی طرف روانہ کر دیا۔یہ ذوقعدہ 5ھ کا واقعہ ہے۔کچھ دیر بعد خود آنحضرت ﷺ بھی مسلح ہو کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔جب آپؐ بنو قریظہ کے قلعوں کے قریب پہنچے تو حضرت علیؓ نے آپؐ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میرے خیال میں آپ کا آگے جانا مناسب نہیں،ہم خود ہی ان سے عہد شکنی کرنے والوں سے نمٹ لیں گے۔آپؐ اپنی بصیرت خداداد سے ساری صورتحال سمجھ گئے اور فرمایا کیا بنو قریظہ نے میرے متعلق کوئی بدزبانی کی ہے۔حضرت علیؓ نے اثبات میں جواب دیا۔تب آپؐ نے فرمایا حضرت موسیٰؑ کو ان لوگوں کی طرف سے اس سے بھی زیادہ تکالیف پہنچی تھیں۔پھر آپؐ نے بنو قریظہ کے ایک کنوئیں پر پہنچ کر ڈیرہ ڈال دیا۔اور یہودِ بنو قریظہ نے محصور ہو کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

شروع شروع میں تو یہ لوگ سخت تمرّد اور غرور کا اظہار کرتے رہے لیکن وقت کے ساتھ انہیں محاصرہ کی سختی اور اپنی بے بسی کا احساس ہونے لگا۔انہوں نے باہم مشورہ کیا جس میں انکے رئیس کعب بن اسد نے ان کے سامنے تین تجاویز رکھیں۔(1)ہم محمدؐ پر ایمان

لاکر مسلمان ہوجائیں کیونکہ فی الحقیقت محمدؐ کی صداقت عیاں ہوچکی ہے اور ہماری کتب میں بھی اسکی تصدیق پائی جاتی ہے۔(2) ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں اور پھر انجام سے بے فکر ہوکر میدان میں نکل آئیں۔(3) آج سبت کی رات ہے۔محمدؐ اور اس کے اصحاب اپنے آپ کو ہماری طرف سے امن میں سمجھتے ہیں۔آج ان پر شب خون مارا جائے۔کسی تجویز پر اتفاق رائے نہ ہوسکا۔محاصرہ کے کم وبیش بیس 20 دن بعد یہود نے اوس قبیلہ کے اپنے ایک حلیف اور رسول اللہ ﷺ کے صحابیؓ حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم مان لیا اور اپنے قلعوں کے دروازے اس شرط کے ساتھ کھولنے پر رضامند ہو گئے کہ سعد جو فیصلہ ہمارے متعلق کریں گے وہ ہمیں منظور ہو گا۔آنحضرت ﷺ نے بھی یہ تجویز منظور فرماتے ہوئے حضرت سعدؓ کو بلوا بھیجا۔ان کی تشریف آوری پر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا، اپنے سردار کے احترام میں کھڑے ہوجاؤ۔پھر آپؐ نے فرمایا سعد! بنو قریظہ نے تمہیں حکم مانا ہے ان کے متعلق تم جو بھی فیصلہ کرو انہیں منظور ہو گا۔حضرت سعدؓ نے یہ پوچھ کر کہ آپ کو بھی وہ فیصلہ منظور ہو گا ان کی شریعت کے مطابق یہ فیصلہ سنایا کہ بنو قریظہ کے جنگجو لوگ قتل کر دیئے جائیں۔انکی عورتیں اور بچے قید کر دیئے جائیں اور انکے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ سن کر بے ساختہ فرمایا

”یہ فیصلہ الٰہی قانون کے مطابق اور ایک ایسی تقدیر ہے جو ٹل نہیں سکتی۔“

پس یہ ایک خدائی تقدیر ہی تھی مگر خداتعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کے رحیم وکریم رسولؐ کے ذریعہ سے یہ سخت فیصلہ جاری ہو۔اگر یہود آنحضرت ﷺ کو اپنا حکم مانتے تو لازماً رَحْمَۃً لِلْعَالَمِینَ حضرت محمدؐ بنونضیر کی طرح بنو قریظہ کی بھی جان بخشی کر دیتے۔کس دلی درد سے آپؐ فرماتے تھے کہ اگر یہود میں سے دس (بڑے) آدمی بھی مجھ پر ایمان لے آتے تو میں امید رکھتا تھا کہ یہ ساری قوم مجھے مان لیتی۔اور خدائی عذاب سے بچ جاتی۔

چنانچہ دوسرے دن جب فیصلے کا اجراء ہونا تھا آپؐ نے بتقاضائے رحم یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ مجرموں کو الگ الگ کر کے سزا دی جاوے یعنی ایک کے قتل کے وقت دوسرے مجرم پاس نہ ہوں تاکہ وہ یہ دلخراش منظر نہ دیکھیں۔جب حُیی بن اخطب رئیس بنونضیر کے قتل کی باری آئی تو وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہنے لگا اے محمدؐ! مجھے یہ افسوس نہیں کہ میں نے تمہاری مخالفت کیوں کی لیکن بات یہ ہے کہ جو خدا کو چھوڑتا ہے خدا بھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔جب آنحضرت ﷺ نے اسے اشارۃً اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ اے ابو قاسم! میں مسلمان تو ہو جاتا مگر اب لوگ کہیں گے موت سے ڈر کر میں نے ایسا کیا۔ایسے جنگی مقتولین کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔کیونکہ روایات میں مذکور ہے کہ اس دن جس یہودی کی بھی سفارش آئی یا اس نے اسلام قبول کر لیا، آپؐ نے اسے معاف کر کے آزاد فرما دیا۔جہاں تک قیدی بچوں اور عورتوں کا تعلق ہے تو وہ سب مدینہ میں ہی رہے۔آنحضرتؐ نے انہیں حسبِ دستور اپنے مختلف صحابہ کی نگرانی میں تقسیم فرمادیا تھا۔پھر ان میں سے بعض نے اپنا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کر لی اور بعض کو آنحضرتؐ نے بطور احسان چھوڑ دیا تھا۔

## حضرت ریحانہؓ سے شادی کی بحث

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمانوں کے حلیف اور معاہد بنو قریظہ نے عہد شکنی کرتے ہوئے مشرکین مکّہ کے ساتھ مل کر مسلمانانِ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو جنگ احزاب کے بعد ان کے خلاف کارروائی ضروری ہوگئی۔مسلمانوں کی پیش قدمی پر بنو قریظہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ پر اتر آئے۔بالآخر مدینہ سے نکل جانے کے معاہدہ پر انہیں مدینہ چھوڑنا پڑا چند سو جنگجو مرد مارے گئے۔اس تعداد میں اختلاف کی بحث کا یہ موقع نہیں۔یہاں اصل بحث طلب امر قید ہونیوالے بچوں اور عورتوں میں ایک خاتون ریحانہ کا معاملہ ہے۔جو مالِ فے میں شامل ہونے کے باعث رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھیں۔ان کے بارہ میں متنوع روایات کے باعث محدثین، مؤرخین اور اہلِ سیر میں اختلاف ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حرم میں شامل تھیں یا کنیز تھیں۔

محدثین میں سے امام حاکم نے مستدرک میں، امام طبرانی نے معجم الکبیر میں اور علامہ بیہقی نے سنن الکبریٰ میں حضرت ریحانہؓ کے علاوہ شاہِ مصر کی طرف سے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بھجوائی گئی خاتون حضرت ماریہؓ کو بھی کنیز لکھا ہے۔ان کے نزدیک حضرت ماریہؓ کے ہاں صاحبزادہ ابراہیمؓ کی ولادت پر بطور امّ ولد انہیں ازواج النبیؐ میں شامل کر لیا جاتا ہے۔یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سورہ احزاب کی آیت 51، 53 میں ملکِ یمین کی جو اجازت تھی اس سے آپؐ نے فائدہ نہیں اٹھایا۔اور جنگی قیدی بنانے کی اس استثنائی اجازت کو اس حکم سے مشروط رکھا جس میں ارشاد ہے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال:68) یعنی کسی نبی کیلئے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کئے بغیر قیدی بنائے۔مگر رسول اللہ ﷺ نے اس جواز کے باوجود کبھی کوئی کنیز نہیں رکھی۔پس حضرت ماریہؓ تو روزِ اوّل سے ہی زوجۂ رسولؐ تھیں کیونکہ وہ جنگی قیدی نہ تھیں۔یہی صورت حضرت ریحانہؓ کے بارہ میں موجود روایات کی ہے کہ اگر ان کو یکسر ردّ بھی نہیں کیا جا سکتا تو قبول کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ریحانہؓ کنیز نہیں زوجۂ رسولؐ تھیں۔

محدثین بیہقی اور طبرانی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت ریحانہؓ کو آزاد کر دیا تھا اور وہ اپنے قبیلہ میں جا کر پردہ میں رہنے لگی تھیں۔یہی رائے مؤرخ طبری اور ابن اسحاق کی ہے۔اہل سیر میں سے ابن الاثیر نے حضرت ریحانہؓ اور حضرت ماریہؓ دونوں کو کنیز قرار دیا ہے۔علامہ ابن حجر نے اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن الاثیر کو حافظ ابن مندہ کی کتاب طبقاتِ صحابہ کی اس غیر معمولی اہمیت کی حامل روایت کا علم نہیں ہوا جن کے مطابق ریحانہ کا اپنے خاندان میں جا کر پردہ نشین ہو کر رہنے لگی تھیں۔

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے فرماتے ہیں: ”ریحانہ ان قیدیوں میں سے تھیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے خود بطور احسان چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد ریحانہ مدینہ سے رخصت ہو کر اپنے میکے کے خاندان (بنونضیر) میں چلی گئی تھیں اور پھر وہیں رہی اور علامہ ابن حجر نے جو اسلام کے چوٹی کے محققین میں سے ہیں۔اسی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔“

مؤرخ ابن سعد نے ریحانہ کے بارہ میں دو قسم کی روایات لکھی ہیں اوّل کہ وہ کنیز تھیں دوسرے یہ کہ انہیں آزاد کر کے رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

کنیز والی روایت کو خود ابن سعد نے کمزور قرار دیا ہے اس روایت کے مطابق ریحانہ کو بنو قریظہ کے دیگر قیدیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے وقت

ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں باقی قیدیوں سے الگ کرلیا گیا۔ بنو قریظہ کے قیدیوں کے قتل اور تقسیم کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے اور انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو آزاد ہو کر آنحضورؐ سے نکاح کرلیں یا کنیز بن کر رہیں۔ انہوں نے یہی پسند کیا اور وفات تک وہ کنیز رہیں۔ اسی روایت کی بناء پر بعض عیسائی مؤرخین کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع ملا۔ جیسا کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اس بارہ میں سرولیم میور کے دلآزار اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے اس روایت کو صحیح بخاری اور دیگر صحیح روایات کے خلاف قرار دیتے ہوئے ان روایات کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اسی الزام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک (عیسائی) مؤرخ کے نہایت طعن آمیز الفاظ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ ”بانی اسلام جب سات سو مقتولین کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آکر تفریح خاطر کیلئے۔۔۔“ اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ موصوف نے ریحانہ کے کنیز ہونے کے اس واقعہ کو سرے سے غلط قرار دیا ہے۔

علامہ شبلی نے حضرت ریحانہؓ کے حرم (نبویؐ) میں داخل ہونے کی روایتوں کو واقدی اور ابن اسحاق سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ جن کے مطابق خود ریحانہؓ کے بقول آنحضرت ﷺ نے انھیں آزاد کر کے شادی کی تھی۔ پھر انہوں نے علامہ ابن حجر کے حوالہ سے تاریخِ مدینہ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ریحانہؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ تھیں۔ اور حافظ ابن مندہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قید سے آزادی کے بعد وہ اپنے خاندان میں پردہ نشین ہو کر رہنے لگیں۔ علامہ شبلی کی ساری بحث کا خلاصہ حضرت ریحانہؓ کے بارہ میں یہ ہے کہ ”اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرمِ نبویؐ میں آئیں تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں تھیں کنیز نہ تھیں۔“

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی علامہ شبلی کے مؤقف سے اتفاق کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے ”اگر اس روایت کو تسلیم بھی کیا جاوے کہ آنحضرتؐ نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا تو تب بھی آنحضرتؐ نے اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی فرمائی تھی اور اسے لونڈی کے طور پر نہیں رکھا۔“

اسی طرح آپؓ تحریر فرماتے ہیں ”چنانچہ جن مؤرخین نے ریحانہ کے متعلق یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا ان میں سے اکثر نے ساتھ ہی یہ صراحت کی ہے کہ آپ نے اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرلی تھی۔ چنانچہ ابن سعد نے ایک روایت خود ریحانہ کی زبانی نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا تھا اور پھر میرے مسلمان ہو جانے پر میرے ساتھ شادی فرمائی تھی اور میرا مہر بارہ اوقیہ مقرر ہوا تھا اور ابن سعد نے اس روایت کے مقابلہ میں اس دوسری روایت کو جس پر ولیم میور نے بنیاد بنا کر اعتراض کیا ہے صراحت کے ساتھ غلط اور خلاف واقعہ قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہی اہل علم کی تحقیق ہے۔“

پس اس تحقیق کے مطابق حضرت ریحانہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی والی ابن سعد کی روایت ہی لائق قبول ٹھہرتی ہے جسے انہوں نے اپنے ہاں سب سے ثقہ اور پختہ روایت قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ شادی بدعہد قبیلہ بنو نضیر پر ایک اور احسان تھا کہ وہ بھی چاہیں تو توبہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے دامن عفو میں آسکتے ہیں۔ ابن سعد کی دیگر روایات کے مطابق یہ شادی محرم 6ھ میں حضرت ریحانہؓ کے حالت طہر کے انتظار کے بعد ام المنذر بنت قیس کے گھر میں ہوئی۔ ایک اور روایت میں یہ بھی بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ریحانہ کو اختیار دیا کہ اسلام قبول کرلیں تو اوّل انہوں نے اپنے دین پر قائم رہنے کو ترجیح دی۔ پھر آنحضورؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو آپؐ کے عقد میں آسکتی ہیں۔ پہلے پہل ریحانہ نے یہ پسند نہ کیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے آپؐ اس مقصد کے لیے تدبیر اور دعاؤں کا سلسلہ شروع کرنے سے پرامید تھے کہ وہ ضرور اسلام قبول کرلیں گی۔ یا شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اسکی پیشگی اطلاع ہو۔ چنانچہ ایک روز حضورؐ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے تو کسی کے قدموں کی آہٹ آئی۔ آپؐ نے فرمایا یہ ثعلبہ بن سعیہ ہے جو ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لارہا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ریحانہ کے قبول اسلام کے بعد آنحضور ﷺ نے حسب وعدہ انہیں عقد میں لے لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ریحانہؓ سے اس پردہ کا اہتمام کروایا جو ازواج مطہرات کیا کرتی تھیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے انہیں لونڈی کی حیثیت میں قبول نہیں فرمایا تھا، جیسا کہ بعض معترضین کا خیال ہے بلکہ یہ زوجہ رسول اللہ ﷺ سے انتہائی محبت کی وجہ سے دوسری ازواج سے شدید غیرت رکھتی تھیں جن کے ناقابل برداشت ہونے کے باعث رسول اللہ ﷺ کو انہیں طلاق دینی پڑی۔ مگر یہ بھی ان سے برداشت نہ ہوا اور وہ اس قدر روئیں کہ رسول اللہؐ نے ان کے پاس تشریف لے جا کر طلاق واپس لے لی۔ الغرض اوّل تو ابن سعد میں حضرت ریحانہؓ سے شادی کی ثقہ روایت کی روشنی میں دیگر روایات کے مطالعہ سے سارا معاملہ کھل جاتا ہے کہ خود ان کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ سے ان کی شادی ہوئی، ان کا حق مہر باقی ازواج کے برابر بارہ 12 اوقیہ رکھا گیا ،انہیں اس طرح پردہ کروایا گیا جس طرح ازواج مطہرات پردہ کرتی تھیں۔ پھر دیگر روایات کے مطابق ایک مرحلہ پر انکی طلاق کی نوبت بھی آئی مگر ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے رجوع کرلیا، اسی طرح باقی ازواج کی طرح انکی بھی باری مقرر کی گئی تھی۔

جماعت احمدیہ کے دیگر لٹریچر میں بھی ایسی کوئی تحقیق تو نہیں مل سکی جس سے اس موضوع پر تفصیلی روشنی پڑتی ہو، البتہ عمومی رنگ میں جماعت کے علمی طبقہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی محققانہ ترجیحی رائے کی روشنی میں اسی رائے کو قبول کیا جاتا رہا ہے کہ حضرت ریحانہؓ لونڈی نہیں تھیں بلکہ منکوحہ بیوی تھیں۔ جس کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ایک بودے اور ناپاک اعتراض کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ دورِ حاضر کے دیگر محقق مصنفین میں ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری صاحب نے بھی اپنی کتاب ” ازواج مطہرات“ میں حضرت ریحانہؓ کو ازواج النبیؐ میں شامل کیا ہے۔

## وفات

حضرت ریحانہؓ کی وفات 10ھ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپؐ کے حجۃ الوداع سے تشریف لانے کے بعد ہوئی۔ ان کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(بحوالہ اہل بیت رسول ﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

# اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (باغ والے)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۸﴾ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۲۰﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ﴿۲۱﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۲۲﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ﴿۲۴﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ﴿۲۵﴾ وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ﴿۲۷﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۲﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۳﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

(سورۃ القلم آیات 18 تا34)

ہم نے مشرکین مکہ کو آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح صبح سارا پھل کاٹ لیں گے۔ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا تھا۔ ابھی وہ سوئے ہوئے تھے کہ راتوں رات باغ پر تیرے ربّ کی طرف سے عذاب نازل ہوگیا۔ صبح کے وقت باغ کی یہ کیفیت ہوگئی جیسے فصل کاٹی گئی ہو۔ لیکن وہ (بے خبر) صبح صبح اُٹھ کر ایک دوسرے کو پکارنے لگے: ”آج تمہارے پاس (باغ میں) کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے۔“ وہ سمجھتے تھے کہ ہم پوری فصل کاٹ لائیں گے۔“ لیکن جب انہوں نے اس باغ (والی جگہ) کو دیکھا تو کہنے لگے: ”شاید ہم راستہ بھول آئے ہیں۔“ پھر غور وفکر کے بعد کہنے لگے: ”ہم تو محروم ہوگئے۔“ درمیان والا بھائی کہنے لگا: ”میں نے تمہیں کہا نہیں تھا؟ اب تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ تب وہ نادم ہو کر کہنے لگے: ”پاک ومقدس ہے ہمارا ربّ ہم ہی ظالم ہیں۔“ پھر ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: ”ہائے افسوس! ہم ہی سرکش ہوگئے تھے۔ شاید ربّ تعالیٰ ہمیں اس سے بہتر باغ دے دے۔ ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔“ ”عذاب ایسے ہی آتا ہے‘ نیز آخرت کا عذاب اس سے بہت بڑا ہے۔ کاش لوگ جان لیں۔“

یہ باغ والے ’ضَوْرَان‘ میں رہتے تھے۔” ’ضَوْرَان‘ “ یمن میں بنوہرش کا قلعہ تھا۔ دراصل ” ’ضَوْرَان‘ “ اس علاقے میں ایک پہاڑ کا نام تھا۔ اسی مناسبت سے اس علاقے کو بھی ” ’ضَوْرَان‘ “ کہا جاتا تھا۔

## اضافی توضیحات وتشریحات

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ کفارِ مکہ کے حالات کے مناسب قرآن نے ایک مثال دی ہے‘ کوئی واقعہ نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یہ لوگ ضوران کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہلِ حبشہ تھے اور مذہباً اہلِ کتاب تھے۔ یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا جس کا دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکالتا‘ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ کے نام صدقہ کر دیتا۔ اس کے انتقال کے بعد بیٹوں نے کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال اِدھر اُدھر دے دیتا تھا۔ ہم اگر ان فقیروں کو نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں گے۔ یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال کو بھی تباہ کر دیا اور وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔

ضوران: یمن کا یہ شہر دراصل بنوہرش کا قلعہ تھا ضوران اس علاقے میں ایک پہاڑ ہے اور اس کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا ہے۔

(اطلس القرآن تالیف ڈرکتور شوقی ابوخلیل دارالسلام صفحہ 265-264)

اس ضمن میں حضرت حاجی الحرمین مولانا نورالدین رضی اللہ فرماتے ہیں:

یہاں ایک قوم کا حال بطور مثال کے بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ایک باغ عطا کیا تھا۔ مگر انہوں نے خداوند تعالیٰ کی نعمت کا شکر یہ کر کے مساکین کا حصہ نہ دینا چاہا بخل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام باغ جل کر سیاہ ہوگیا اور ان کے ہاتھ بھی کچھ نہ آیا۔

اس مثال سے اہلِ مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہیں جو ریاست و دولت دی گئی ہے۔ اس سے نیک فائدہ اٹھاؤ۔ یہ ایک ابتلاء ہے کہ مال وجاہ والا ہو کر تم پیغمبرِ وقت کی اطاعت کرتے ہو یا نہیں۔

يَسْتَثْنُوْنَ: استثناء سے مراد شکر نعمت اللہ کا بجالانا ہے اور انشاء اللہ کہنا ہے۔ اہلِ محاورہ بولتے ہیں۔

حَلَفَ فُلَانٌ يَمِيْنًا لَّيْسَ فِيْهَا اِسْتِثْنَاءٌ انسان کو چاہیے کہ اپنے ہر ارادے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اس کے علم اور قدرت سے سہارا لے اور انشاء اللہ کہے۔ مگر اس مقدس کلمہ کو وعدہ پورا نہ کرنے کا بہانہ نہ بنائے جیسا کہ فی زمانہ بعض لوگوں کی عادت ہوگئی ہے۔

طَآئِفٌ: پھر جانے والا عذاب۔ رات کے وقت اس قوم پر عذاب آیا تھا۔ قٰدِرِيْنَ: لپک کر چلنے والے۔ مساکین کے نہ دینے کا اندازہ کرنے والے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سرشت اچھی تھی کیونکہ پھر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا عزم ان میں پیدا ہوا۔ جو شخص نقصان پر صبر کرتا ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے سے بہتر و برتر عنایت کرتا ہے مولانا روم

فرماتے ہیں۔

اوّلم خم شکست وہر کہ بریخت
من نگفتم کہ ایں زیانم کرد
صدخمِ صافی ازپئے آں
خوضم داد وشاد مانم کرد

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 181تا182)

علاوہ ازیں الحاج حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اس جگہ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یعنی باغ والوں سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مکہ والے رشتہ دار ہیں جن کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی جنت اتاری تھی لیکن انہوں نے بجائے جنت سے فائدہ اُٹھانے کے لوگوں کو اس جنت سے محروم کرنے کی کوشش کرنی شروع کر دی اور آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ایسے وقت میں اس جنّت میں چلو جب کوئی اور آنے والا نہ ہو۔ یہی مکہ والے کرتے تھے یعنی جو شخص آپ کی باتیں سننے آتا تھا اس کے کانوں میں رُوئی ڈال دیتے تھے۔ یا جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو اس میں شور مچا دیتے تھے تا کہ کوئی سنے نہیں اور ان سے فائدہ نہ اُٹھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ (حٰمٓ السجدۃ رکوع 4) یعنی جب کبھی وہ اس قرآن کو سنتے ہیں کافر ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ تم شور مچا دو تا کہ کوئی ان باتوں کو سُن نہ سکے۔ یعنی ان کفار کا انجام اس باغ کی تمثیل کے مطابق ہوگا اور اپنے اعمال کے نتیجے سے یہ محروم رہیں گے۔ یعنی انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنا مال اپنے لئے روکے رکھے اور اس میں کسی کو شریک نہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

یعنی انجام دیکھ کر مکہ کے کچھ لوگ تائب ہوجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کو انعام بھی ملے۔

❁❁❁


## ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید ترقی دینے کی خاطر "ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل" اور خواتین ڈائجسٹ "آبگینے" ،لاہور رسالہ دو زبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی سالوں سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام قارئین کیلئے یہ معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ ان کا خاص مقصد معاشرے کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔

یاد رہے ایسے اخبارات اور رسائل کو جاری رکھنے کے لیے ایک بڑا ادارہ یا بزنس مین یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں میسر نہیں۔

آپ تمام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی ماہانہ مالی مدد فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔ آپ کی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہوگی۔ آپ اپنی رقم درج ذیل بینک میں جمع کروا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

Bank Name:
Lloyds Bank PLC
Account Name:
Lahore International LTD
Account Number:
42534160
Sort Code:
30-96-26
IBAN:
GB89 LOYD 3096 2642 5341 60


## ادارتی پالیسی

آبگینے خواتین ڈائجسٹ کی ادارتی پالیسی واضح ہے مذہبی اور غیر مذہبی نقطہ نظر پر اور اظہار آزادی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، تعصب اور عصبیت سے پاک ہے۔ اس کا کسی طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ آیئے اپنا موقف بلا خوف و خطر بیان کیجیے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا احترام آپ کا اور ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ اپنا مضمون یا منظوم کلام ہمیں بھیجنے سے قبل اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیں تا کہ کمپوزنگ (ٹائپ) کی غلطیاں آپ خود نکال سکیں۔ تحریر میں غلطیاں کم ہونے کی صورت میں جلد قابل اشاعت ہوگی۔ یاد رہے متن میں تبدیلی کرنا ایڈیٹر کا اختیار ہوتا ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ مضمون یا کلام وہی قابل اشاعت ہوگا جو پہلے کسی اخبار یا انٹرنیٹ سوشل میڈیا پر شائع نہ ہوا ہو۔ علاوہ ازیں آپکی تحریر ایک ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو بعض صورتوں میں استثناء دیا جا سکتا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ

مدثرہ عباسی
مدیرہ

# خدا کے خلاف جنگ نہ کریں اور ورلی زندگی کو مقدم نہ کریں ورنہ؟

حضرت حاجی الحرمین مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ سورۃ البقرہ کی آیت 87 کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝

مدینہ طیّبہ میں ایک شخص ایک مسلمان کے ہاتھ سے اتفاقیہ طور پر مارا گیا۔ یہ واقعہ گزر گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شہر کے لوگوں کو بُلا کر فرمایا کہ ہم مقتول کے وارثوں کو خوں بہا دینا مناسب سمجھتے ہیں تا کہ اس کی قوم کے لوگ ہماری مخالفت نہ کریں مگر امنِ عامہ کے شریک اس دیت کے دینے میں شریک نہ ہوئے بلکہ ایک مسلمان عورت تکلا سیدھا کرانے کے لئے قینقاع (جو لوہار تھے) کے محلّہ میں گئی۔ وہ گھونگٹ نکالے ہوئے تھی۔ شریر لوہار نے کہا کہ یہ کپڑا کیوں مُنہ پر ڈالے ہوئے ہو۔ اُس نے جواب دیا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پردہ کا حکم دیا ہے۔ اس پر اس بدمعاش نے شرارت سے لوہے کی ایک میخ پچھلی طرف کپڑے میں ٹھونک دی۔ عورت اُٹھنے لگی تو اس کا کپڑا بھی پھٹ گیا اور گھونگٹ بھی اُتر گیا۔ یہ حالت دیکھ کر بجائے اس کے کہ معذرت کرتے انہوں نے تمسخر اُڑایا۔ عورت نے گھبرا کر کہا کہ کوئی ہے جو میری مدد کرے۔ ادھر سے ایک مسلمان بھائی نے یہ بات سُن لی وہ مدد کو دوڑا۔ آپس میں وہاں لڑائی چھڑ گئی جس سے ایک قتل ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر پہنچی تو فرمایا کہ ہم نے بیرونی انتظام کے لئے یہ معاہدہ کیا تھا۔ تم اندرونی معاملات میں ایسے تیز ہو جاتے ہو کہ قتل تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ جب وہ بہت تنگ ہوئے تو مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔

ادھر بنو نضیر سے ایک حماقت ہوئی کہ کسی اپنے معاملہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محلہ میں بُلا لیا اور وہاں ایک شخص کو سکھایا کہ جب دیوار کے پاس بیٹھے ہوں تو تم اُوپر سے چکّی کا پاٹ گرا دو۔ آپؐ کو ان کی بدنیّتی کی خبر کسی نہ کسی طرح مِل گئی اِس لئے آپؐ یکدم اُٹھ کر چلے گئے اور ان کا داؤ نہ چل سکا۔ یہ بات بڑھ گئی۔ ان میں کچھ شاعر بھی تھے وہ مکّہ میں گئے اور وہاں کے سرداروں کو جا کر بھڑکایا اور بعض نے مسلمان عورتوں سے تغزّل کیا۔ اِس کے لئے بنو نضیر کو حکم ہوا کہ یہاں سے چلے جاؤ جلاوطن کر دیا گیا حالانکہ ان سے معاہدہ کیا جا چکا تھا کہ وہ ایسے کام نہ کریں گے جس سے جلاوطنی کرنی پڑے۔ ادھر مکّہ والوں نے پیغام بھیجا کہ تم ان مسلمانوں کی عورتوں کو مارو اور ہم باہر سے لشکر لے کر اُن پر حملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک اپنے ساتھ گرد ونواح کی قوموں کو جمع کر لائے سورہ احزاب میں اس کو ذکر ہے۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس لڑائی سے مسلمانوں کو بچا لیا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو آپؐ نے بنو قریظہ سے پوچھا کہ تم پہلے دو واقعے قینقاع اور بنو نضیر کے دیکھ چکے ہو اور پھر بھی شرارتوں سے باز نہ آئے اور اب تمہارے حق میں ایک فیصلہ کرتا ہوں جو تمہیں ماننا پڑے گا۔ بدقسمت انسان نیک بات کو نہیں مانتا اِس لئے انہوں نے کہا ہمیں سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور ہے نہ آپ کا۔ اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ جنگ کے شرکاء کو قتل کر دیا جاوے۔ یہ فیصلہ انہیں چاروناچار منظور کرنا پڑا جن کو قتل کی سزا دی گئی ان کی تعداد کم از کم دو سو پچاس اور زیادہ سے زیادہ نو سو کی بتائی (گئی ہے)۔

خیر یہودیوں کے فرقے تو اس طرح تباہ ہوئے۔ باقی رہے عیسائی ان کا لاٹ پادری عامر تھا اُسنے لوگوں کو خواب سُنایا کہ مَیں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ پراگندہ (حال) اور ملک بملک اکیلا پھرتا ہوا مر جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خواب تو سچ دیکھا ہے مگر میرا نہیں اپنا بدانجام دیکھا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ مکّہ گیا اِس خیال سے کہ کچھ انتظام مسلمانوں کے خلاف کروں مگر وہاں اس نے شراب پی کر بدمستی کی تو نکالا گیا مگر روم چلا گیا۔ وہاں بادشاہ کو سکھایا مگر بادشاہ کسی امر پر ناراض ہوا راتوں رات نکل بھاگنا پڑا اور آ کر اسی طرح مرا گیا۔ حدیث میں وَحِيْدًا وَّطَرِيْدًا غَشَرِيْدًا آیا ہے۔ اب میدان صاف تھا۔ دو گروہ رہ گئے ایک منافقوں کا اور دوسرے مسلمانوں کا۔ منافقوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ورلی زندگی کو اختیار کر لیا اِس لئے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مدد دئے جائیں گے چنانچہ جب ان لوگوں کی تباہی آئی کوئی ان کا حامی و ناصر نہ رہا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نصیحت کرتا ہے بایں طور کہ جو اگلی قوموں کی بُرائیاں اور خوبیاں ہیں ان کا بیان کرتا ہے تا کہ مسلمان ان بُرائیوں سے بچیں۔ اِس کا فائدہ یہ ہو گا کہ وہ ان عذابوں سے محفوظ رہیں گے جو ان بُرائیوں کی وجہ سے ان پر نازل ہوئے اور ان خوبیوں کو اختیار کریں جن کی برکت سے ان پر طرح طرح کے انعام ہوئے۔ ان آیات میں یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ بہت سے لوگ ورلی زندگی کو پسند کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ موجودہ حالت اچھی رہے پس وہ اس آواز کی طرف رغبت کرتے ہیں جو چند منٹ کے لئے لُطف دے اور وہ نظارہ اُن کے مرغوبِ خاطر ہوتا ہے جو عارضی ہو لیکن اس سچّے سرور کی پرواہ نہیں کرتے جو دائمی ہے اور جس پر کبھی فنا نہیں ہوتی۔

ایسے لوگوں کے لئے بھی دین کو دُنیا پر مقدّم کرنا ایک عذاب ہو جاتا ہے اور وہ ہر لحظہ، ہر گھڑی ان کو دُکھ دیتا رہتا ہے اور کسی وقت بھی کم نہیں ہوتا۔ چونکہ عاقبت انہوں نے پسند نہیں کی وہ خدا سے بُعد میں ہوتے ہیں۔ جو عذاب ہے وہ اس سے معذّب ہوتے ہیں لیکن اس قسم کے عذابوں کے وعدے ہر مذہب میں نہیں۔ اسلام کی خصوصیّت ہے کہ جس عذاب کا وعدہ دیا جاتا ہے اس کا نمونہ دُنیا میں بھی دکھایا جاتا ہے تا کہ یہ عذاب اس آنے والے عذاب کے لئے ایک ثبوت ہو۔

دیکھو وہ قوم جس میں آج اچھے لڑکے نہیں ان پر کبھی وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ ان میں

اچھے لڑکے پیدا ہوں۔ وہ قوم جن میں زور آور نہیں ایک وقت ان پر آتا ہے کہ ان میں زور آور پَیدا ہوں اگر ان کے پاس آج سلطنت نہیں تو اس زمانہ کی امیّد کی جاسکتی ہے جب ان میں بھی امارت آجائے۔ ہندوؤں کی حیات گذشتہ وموجودہ پر غور کرو۔ جب ہم بچّے تھے تو یہ ہندو اتنے تعلیمیافتہ نہ تھے کہ معلّم بن سکیں اِسی لئے اکثر مسلمان معلّمین نظر آتے تھے پھر ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ تعلیم میں اِس قدر ترقّی کر گئے ہیں کہ اَب معلّم ہیں تو ان میں سے۔ افسر ہیں تو ان میں سے۔ وہ اپنی طاقت پر اَب یہاں تک بھروسہ رکھتے ہیں کہ ہم کو اِس ملک سے نکال دینے یا گورنمنٹ پر دباؤ ڈال دینے پر تُلے بیٹھے ہیں۔ اِس بات کا ذکر مَیں نے صرف اِس لئے کیا ہے کہ قوموں میں جہالت کے بعد علم آجاتا ہے۔ زوال کے بعد ترقّی ہوسکتی ہے اور ایسا ہوتا رہتا ہے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے ایک قوم ہے (یہود) جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا ہم نے ان کو یہ سزا دی کہ اَور قوموں میں تو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی اور ان کا کوئی ناصر ومددگار نہ ہوگا چنانچہ یہودیوں کی کوئی مقتدرانہ سلطنت رُوئے زمین پر نہیں۔ چپّہ بھر زمین پر بھی ان کا تسلّط نہیں۔ اگر ان کو تکلیف دی جاوے تو کوئی نہیں جو ان کی حامی بھرے۔ تیرہ سَو برس سے خدا کا یہ کلام سچّا ثابت ہو رہا ہے۔ پس ہمیں اِس سے یہ سبق لینا چاہیئے کہ خدا کے خلاف جنگ نہ کریں اور ہر گز ہر گز ورلی زندگی کو مقدّم نہ کرلیں ورنہ لَا یُنۡصَرُوۡنَ کی سزا موجود ہے۔

(حوالہ حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 189 تا 192)

❁❁❁

## انقلابات آ کے رہتے ہیں

(بشریٰ سعید عاطف۔ مالٹا)

ایک محشر گماں سے اٹھتا ہے
پیار جب درمیاں سے اٹھتا ہے
جل گیا بارشوں کے موسم میں
اب دھواں آشیاں سے اٹھتا ہے
چھین لے گا یہ زندگی تجھ سے
تیر ایسا کماں سے اٹھتا ہے
بولنا ہے تو شہد سا بولو
فتنہ کڑوی زباں سے اٹھتا ہے
آگ لگ جائے گی زمانے کو
شعلہ ایسا بیاں سے اٹھتا ہے
لینے دیتا نہیں جو اک پل چین
درد پاتالِ جاں سے اٹھتا ہے
انقلابات آ کے رہتے ہیں
عشق بشریٰ جہاں سے اٹھتا ہے

❁❁❁

## غزل

آصفہ بلال پاکستان

بھٹک رہا ہے من کیوں میرا جانے کون
بستی بستی صحرا صحرا جانے کون
ہونٹوں پہ مسکان کی پیوند کاری ہے
زخم ہے اندر کتنا گہرا جانے کون
ظاہر کچھ اور باطن کچھ، دستور یہاں
کس چہرے پہ کس کا چہرہ جانے کون
ہر اک سانس پہ بھاری ہے تاوان یہاں
جیون کیوں ہے ایک کٹہرا جانے کون
تعزیروں نے خواب اپاہج کر ڈالے
لفظ ہیں گونگے سوچ پہ پہرہ جانے کون
جس لمحے میں اس کو میں نے کھویا تھا
لمحہ کیوں ہے وہیں پہ ٹھہرا جانے کون

❁❁❁

## وہ ایک شخص عجب با کمال لگتا ہے

کنیز بتول نجمہ

وہ ایک شخص عجب با کمال لگتا ہے
مثال کیا دوں کہ وہ بے مثال لگتا ہے
وہ ایسا چاند ہے کہ اس کے نور کے آگے
فلک کے اوج پہ سورج نڈھال لگتا ہے
اگر ہو پھولوں میں بیٹھا تو پھر گلاب دکھے
جو موتیوں میں کہیں ہو تو لعل لگتا ہے
اگر جو دشمنِ توحید ہو مقابل پر
تو اس کا لہجہ الٰہی جلال لگتا ہے
کوئی بھی دور ہو اس پر عروج رہنا ہے
وہ ہر ایک طور سے ہی لا زوال لگتا ہے
پڑھو درود اے نجمہ کہ وہ حسِین سا شخص
ہر اک ادا سے محمد کی آل لگتا ہے

❁❁❁

# نیکی کو نیکی کی خاطر کرنا چاہیے

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود فرماتے ہیں:

اخلاقی معلّمین کا قول کہ نیکی کو نیکی کی خاطر کرنا چاہیے۔ صدقہ و خیرات کے متعلق جن لوگوں نے خود تعلیم بنائی ہے اور جو اخلاقی معلمین کہلاتے ہیں انہوں نے یہ اصل بتایا ہے کہ نیکی کو نیکی کی خاطر کرنا چاہئے۔ سوائے اس کے اور کوئی بات صدقہ کے متعلق انہیں نہیں ملی۔ ہم ان کی اس بات کو پیش نظر رکھیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ اسلام نے اس سے بہتر تعلیم دی ہے یا نہیں۔ فی الحال ہم اس کے متعلق اتنا مان لیتے ہیں کہ یہ اچھی بات ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ تعلیم ہر جگہ چل سکتی ہے اور ہر انسان اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اب اگر یہ کہیں کہ صدقہ تبھی دو جب صدقے کی خاطر دے سکو تو جو لوگ اس طرح نہیں دے سکتے وہ نہیں دیں گے۔ اور اس وجہ سے غریب صدقہ نہ ملنے پر بھوکے مریں گے۔ کیونکہ جو اس طرح صدقہ نہیں دے سکتے وہ نہیں دیں گے وہ کہیں گے جب ہم صدقہ صدقہ کی خاطر نہیں دے سکتے تو پھر اپنا مال کیوں ضائع کریں۔ اور جب وہ اس وجہ سے نہیں دیں گے تو غریب لوگ نقصان اٹھائیں گے۔

## صدقہ کے مختلف پہلوؤں پر اسلام کی روشنی

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ اسلام نے کس طرح صدقہ و خیرات کو ایک علمی مضمون بنا دیا ہے۔

## صدقہ کی مقدار

پہلی چیز صدقہ کی مقدار ہے کہ کس قدر دینا چاہئے۔ انجیل نے اس کے متعلق کہا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو وہ سب کا سب دے دو۔ وید کہتا ہے برہمن جو کچھ مانگے وہ اسے بلا چون و چرا دے دو۔ مگر اسلام نے اس کی حد مقرر کر دی ہے۔ اسلام کہتا ہے۔ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبۡسُطۡھَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ○ اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ○۔ یعنی اے انسان ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ نہ تو اپنے ہاتھ کو تو بالکل باندھ کر رکھ کہ کچھ دے ہی نہیں۔ (مغلولہ ہاتھ پیچھے کی طرف کھینچ کر گلے سے لگا لینے کو کہتے ہیں) اور نہ مٹھی کو اس طرح کھول کر رکھ دے کہ جس کی مرضی ہو لے جائے۔ گویا نہ تو ایسا ہو جیسا کہ انجیل میں کہا گیا ہے کہ سب کچھ دے دو اور نہ اس پر عمل ہو جو یورپ کے فلاسفروں کی تعلیم ہے کہ صدقہ دینے سے لوگوں میں سُستی پیدا ہوتی ہے اس لئے صدقہ دینا ہی نہیں چاہئے۔ گویا پادری تو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو وہ سب کچھ دے دو گو آپ کچھ بھی نہیں دیتا۔ اور فلاسفر کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں دینا چاہئے۔ بہرحال یہ دونوں قسم کی تعلیمیں موجود ہیں۔ قرآن ان دونوں کو دیکھتا ہے اور پھر کہتا ہے لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبۡسُطۡھَا کُلَّ الۡبَسۡطِ نہ تو ہاتھ کو سمیٹ کر گلے سے باندھ رکھو۔ یہ کہتے ہوئے کہ صدقہ دینے سے لوگوں کی عادتیں خراب ہوتی ہیں۔ ان میں سُستی پیدا ہوتی ہے وہ محنت و مشقت کرنے سے جی چراتے ہیں اور نہ سب کچھ دیدو۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کے دو نتائج ہوں گے۔ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ۔ قرآن کریم کا یہ کمال ہے کہ جو بات کہتا ہے ساتھ اس کے دلیل بھی دیتا ہے۔ فرمایا۔ اگر تو صدقہ نہ دے گا اور کہے گا کہ فلاسفر کہتے ہیں صدقہ نہیں دینا چاہئے یہ لوگوں کے لئے نقصان رساں ہوتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا تیرا دل اور تیرے بڑے چھوٹے سب تجھے ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تُو نے بُرا کیا۔ بھوکے کو کچھ نہ دیا محتاج کی مدد نہ کی۔ حاجتمند کی امداد نہ کی۔

اس کے بعد دوسری بات یہ بتائی کہ پھر یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ سب کچھ دے دو حالانکہ انجیل نے کہا تھا کہ سب کچھ دے دینا چاہئے۔ اس سے اختلاف کیوں کیا۔ اس کی دلیل یہ دی فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ۔ حَسَرَ الشَّیۡءَ کے معنی ہوتے ہیں کَشَفَہٗ اس نے کھول دیا۔ اور حَسَرَ الۡغُصۡنَ کے معنی ہیں قَشَرَہٗ ۔ ٹہنی کے اوپر کا چھلکا اُتار دیا۔ گویا درخت کی چھال اُتار دینے کو حَسَرَ کہتے ہیں۔ اسی طرح حَسَرَ الۡبَعِیۡرَ کے معنی ہیں سَاقَہٗ حَتّٰی اَعۡیَاہُ اونٹ کو ایسا چلایا کہ وہ تھک کر چلنے کے قابل نہ رہا۔ جس طرح درخت کی اوپر کی موٹی چھال اُتار دینے سے درخت سوکھ جاتا ہے اسی طرح جانور کو اتنا چلایا جائے کہ اس میں چلنے کی طاقت نہ رہے تو وہ بھی نہیں چلے گا۔ پس فرمایا خواہ تم کتنا ہی دو دنیا میں محتاج پھر بھی رہیں گے۔ اگر آج تم سارے کا سارا دے کر تھکے ہوئے اونٹ کی طرح بن جاؤ گے یا چھال اُترے ہوئے درخت کی طرح ہو جاؤ گے تو کل کیا کرو گے۔ جس طرح روزانہ کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی اعمال کا حال ہے۔ پس جو شخص روزانہ نیکی اور تقویٰ میں حصہ لینا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے پاس بھی مال رکھے تا کہ بڑھے اور وہ پھر اس میں سے محتاجوں کو دے۔ پھر بڑھے اور پھر دے۔ یورپ میں ایسے ایسے تاجر موجود ہیں جو ایک کروڑ روپیہ تجارت میں لگا کر کئی کروڑ نفع کماتے ہیں۔ اور پھر بڑی بڑی رقمیں خیرات میں دیتے ہیں۔ اگر وہ اپنا سارے کا سارا مال ایک ہی دفعہ دے دیتے اور سرمایہ تک بھی پاس نہ رکھتے تو پھر نفع کس طرح کماتے اور کس طرح بار بار بڑی بڑی رقمیں خیراتی کاموں میں دیتے۔ پس فرمایا کہ اتنا بھی نہ دو کہ آئندہ سرمایہ پاس نہ رہے اور دوبارہ سرسبز ہونے کے سامان نہ رہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے انگریزوں میں مثل مشہور ہے کہ کسی نے سونے کا انڈا حاصل کرنے کیلئے مرغی مار ڈالی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی کی مرغی روزانہ ایک سونے کا انڈہ دیتی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ اگر میں اسے زیادہ کھلاؤں تو ہر روز دو انڈے دے دیا کرے گی۔ اس طرح زیادہ کھلانے

کی وجہ سے وہ مرغی مرگئی۔

پس اگر انسان اس تعلیم پر عمل کرے کہ اپنا سب کچھ ایک ہی دفعہ دے دے تو وہ آئندہ کے لئے محروم ہوجائے گا اور اپنی قابلیتوں سے کام نہ لے سکے گا۔

پھر حَسَرَ کے معنی ننگے ہوجانے کے بھی ہیں۔ اس لئے مَحْسُوْرًا کے معنی یہ بھی ہوئے کہ وہ ننگا ہوجائے گا۔ اور جو ننگا ہو وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوجاتا ہے اور گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ پس فرمایا۔ اگر تم اپنا سارا مال دے دو گے تو پھر تمہیں گھر میں بے کار ہو کر بیٹھنا پڑے گا اور تم کسی کام کے قابل نہ رہو گے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب دنیا میں لوگ ہمیں محتاج نظر آتے ہیں تو پھر کیا کریں۔ کس طرح کچھ حصہ دے کر باقی مال اپنے پاس رکھ لیں؟ اس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا جب کسی کے پاس دولت آتی ہے تو ہمارے مقررہ قانون کے ماتحت آتی ہے۔ ہم اسی کو دولت دیتے ہیں جس میں دولت کمانے کی قابلیت ہوتی ہے۔ اگر ایسی قابلیت رکھنے والوں کو ناقابل کر دیا جائے تو دنیا میں تباہی آجائے۔

جو لوگ بڑھتے اور ترقی کرتے ہیں ان میں بڑھنے کی خاص قابلیت ہوتی ہے۔

اگر ان سے سارے کا سارا مال لے کر غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ کمانے کی قابلیت رکھنے والے بھی روپیہ نہ کما سکیں گے اور ملک تباہ ہوجائے گا۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم جسے دولت دیتے ہیں اسی قانون کے ماتحت دیتے ہیں کہ اس میں ترقی کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ اور اسی لئے دیتے ہیں کہ وہ ترقی کرے۔ چونکہ ایسے لوگوں کا سارے کا سارا مال دے دینا قوم کی تباہی کا موجب ہو سکتا ہے اس لئے ہم اس کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ لوگ قابلیت رکھتے ہیں انڈسٹری کی۔ وہ قابلیت رکھتے ہیں تجارت کی۔ وہ قابلیت رکھتے ہیں صنعت و حرفت کی۔ اگر ان کا سارے کا سارا مال فقیروں میں بانٹ دیا جائے تو پھر وہ ترقی نہ کر سکیں گے۔ غرباء اور مساکین کے پاس تو جو کچھ جائے گا وہ اسے کھا جائیں گے۔ لیکن ایک تاجر کے پاس مال رہتا ہے تو وہ اس سے اور کماتا ہے۔ اور نفع میں سے اپنے اوپر بھی خرچ کرتا ہے اور غریبوں کو بھی دیتا ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر بھی ایسے لوگ رہ جاتے ہیں جن کو دیکھ کر رحم آتا ہے تو اس کے متعلق فرمایا اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ہم اپنے بندوں کی حالت کو خوب جانتے ہیں اسی لئے ہم نے ایسا انتظام کیا ہے۔ تم ہم سے زیادہ بندوں پر رحم نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے بندوں کی حالت تم سے زیادہ جانتے ہیں اور ان کی حالت کے مطابق ہم نے قانون بنا دیئے ہیں۔

اسی طرح ہاتھ گردن سے باندھنے کا محاورہ بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ اگر بالکل کچھ نہ دیا جائے تو بھی قوم تباہ ہوجاتی ہے یعنی اس طرح بھی قوتِ عملیہ ماری جاتی ہے کیونکہ ایسے محتاج بھی ہو سکتے ہیں جو کام کرنے کی قابلیت بھی رکھتے ہوں ان کو ضرور دینا چاہیے۔ پھر جب تک غرباء کو اُٹھایا نہ جائے امراء بھی کمزور ہوجاتے ہیں۔ گویا غرباء کے نہ اُبھارنے کی وجہ سے امراء بھی گر جاتے ہیں۔ اور امراء کو مار دینے سے غرباء لاوارث ہوجاتے ہیں۔ پس امراء کا رہنا بھی ضروری ہے گو ان پر غرباء کی مدد کرنا بھی فرض ہے۔ اب دیکھو اسلام نے کس طرح خرچ کی مقدار بھی بتا دی اور اس کی دلیل بھی دے دی۔ (فضائل القرآن صفحہ 136 تا 139)

❁❁❁

## حمد باری تعالیٰ
### منصورہ فضل من

پھولوں کی انجمن کو بادِ صبا کو دیکھ
گاتے ہیں یہ پرندے بھی اسکی ثناء کو دیکھ
ہر شے میں حسنِ یار کا جلوہ دکھائی دے
آ میری آنکھ سے کبھی اس دلربا کو دیکھ
اسکے دیار سے کوئی خالی نہیں گیا
رحمان اور رحیم کے دستِ عطا کو دیکھ
تجھ کو بھلا امید کیوں بندے بشر سے ہے
کیوں دیکھتا ہے غیر کو اپنے خدا کو دیکھ
گر اس کی سمت چل کے تو جائے گا ایک بار
دوڑا چلا وہ آئے گا اسکی ادا کو دیکھ

❁❁❁

## زندگی میں نے شب و روز پکارا ہے تجھے
### فہمیدہ مسرت احمد۔ جرمنی

جب تصور میں بسا کر کبھی سوچا ہے تجھے
ایک خوشبو کی طرح دل میں اُتارا ہے تجھے
تیرے اوصاف کو میزان کے پلڑے میں رکھا
جتنا پرکھا ہے صنم اُتنا سراہا ہے تجھے
مجھ سے اُلجھی ہے سدا کاکلِ پیچاں کی طرح
گرچہ اے زیست کئی بار سنوارا ہے تجھے
بیٹھ کر درد کی دہلیز پہ اک مدت سے
زندگی میں نے شب و روز پکارا ہے تجھے
کوئی اُمید مسرت کی خُدارا دے مجھے
اے شبِ غم کبھی مر مر کے گزارا ہے تجھے

❁❁❁

# اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللہِ

تحریر: امتہ الرشید بدر

"اپنے ہاتھ سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے"۔
(مسند احمد بن حنبل حدیث:17265)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محنت سے رزق حلال کمانے والے سے محبت کرتا ہے۔محنت کے لغوی معنی ہیں۔رنج، دکھ، تکلیف، کوشش، مشقت، ریاضت، مزدوری، کام کاج، کام کی اجرت۔

دنیا میں آج ہم جتنی ترقی یا سہولیات دیکھتے ہیں یہ سب اُن محنتی انسانوں کی مشقتوں اور محنت کا نتیجہ ہے جو وہ قرنوں اور زمانوں سے کرتے چلے آرہے ہیں۔مشہور مقولہ ہے کہ حرکت زندگی اور جمود موت ہے۔ہم کوئی بھی مادی یا روحانی ترقی حاصل نہیں کر سکتے جب تک محنتِ شاقہ کو اپنا شعار نہ بنالیں۔محنت، کوشش، سعیٔ مسلسل سے ہی اعلیٰ دنیاوی اور روحانی مراتب ملتے ہیں۔دونوں جہان کے تمام انعامات محنت، مشقت اور ریاضت کے مرہونِ منت ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (سورۃ النجم آیت 40)

ترجمہ: یعنی انسان کے لئے کچھ نہیں سوائے اُس کے جو اُس نے کوشش یا سعی کی۔

بعض لوگوں کی طبیعت پر سستی یا کاہلی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔آرام طلبی اُن کی ہڈیوں، گوشت پوست اور خون میں سرایت کر جاتی ہے۔کسی بھی خیر خواہ کی کوئی نصیحت اُن پر کار گر نہیں ہوتی۔بیوی بچوں کی تنگدستی اُن پر اثر نہیں کرتی جس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ غیرت وحمیّت بھی اُن کے دل سے رخصت ہونے لگتی ہے۔دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کو وہ عار نہیں سمجھتے۔دوسروں کے محنت سے کمائے ہوئے مال اور خوشحالی سے حسد کرنے لگتے ہیں اور اُنہیں حرام کمائی کا طعنہ دیتے ہیں۔خود جس اولاد کو مانگے کے لقمے کھلا کھلا کر پالتے ہیں۔اُن کے اندر سے پیدائشی طور پر سوال سے کراہت ختم ہو جاتی ہے اس طرح معاشرہ بے کار، بے فائدہ اور دوسروں پر بوجھ بنے ہوئے لوگوں سے بھر جاتا ہے جن کو فقط ایک ہی فکر ہوتی ہے کہ کسی گھر سے کہیں سے آجائے تو پیٹ کا دوزخ بھر لیں کسی کی اترن آجائے تو تن ڈھانک لیں۔بے کار وجود وہ ہیں جن سے نہ معاشرے کو کوئی فائدہ پہنچے نہ اُن کے اہل خانہ کو۔یہاں تک کہ وہ اپنی جان کے مفاد کو بھی پس پُشت ڈال دیتے ہیں۔وہ اُس آکاس بیل یا طفیلیوں کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں کی طاقتیں اور خون چوس کر زندہ رہتے ہیں اس طرح اُن لوگوں کا حق کھاتے ہیں جو واقعی مستحق ہیں، جو مسکین ہیں، یتیم ہیں یا اسیر ہیں یا مقروض ہیں اور کوئی راہ نہیں پاتے کہ اپنے حالات اچھے کر سکیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوٰۃ کو اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر رکھا ہے یعنی:۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرۃ:44)

کا حکم دے کر۔یہ اُن اللہ کے کمزور بندوں کے لئے مختص قومی اموال میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اپنی خداداد صلاحیتوں، ہنر یا تعلیم، عقل یا جسمانی طاقتوں کو کام میں لاکر اپنے وجود کو بے کار بننے سے بچا سکتے تھے۔دنیا میں جب ہم عظیم لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح اُنہوں نے سخت محنت اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر دنیا میں انقلاب عظیم برپا کئے۔دنیا کی کایا پلٹ دی۔تمام انبیاء اولیاء اور دنیاوی یا سیاسی لیڈر کس قدر محنت اور مشقت سے اپنا نصب العین حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔روحانی میدان میں سب سے بڑھ کر ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔جب کہ دنیاوی اور سیاسی میدان میں قائد اعظم رحمتہ اللہ، سلطان صلاح الدین ایوبی اور بے شمار روحانی اور دنیاوی مشاہیر جن کی تعداد اور جن کے کارناموں کی فہرست طوالت کے خوف سے بیان کرنی ناممکن ہے۔کس طرح ان کی زندگیاں معمور الاوقات تھیں۔کام، کام اور فقط کام اُن کا نصب العین تھا۔نبی کریم ﷺ کسی چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی عار نہ سمجھتے۔آپ اپنی امت سے بھی یہی توقع رکھتے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا
"ہر نبی نے قبل از بعثت بکریاں چرائی ہیں۔صحابہ نے عرض کیا کہ کیا حضور نے بھی چرائی ہیں۔آپ نے فرمایا ہاں کچھ معاوضہ پر میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔"
(صحیح بخاری باب رعی الغنم علی قراریط)

حضرت مقداد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی روزی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے۔(صحیح بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا لوگوں کو سوال سے بچنا چاہیے۔اوپر والا ہاتھ جو خرچ کرنے والا ہے نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان الیہ العلیا خیر من الیہ الفلیٰ)

آنحضور نے سوال سے بچنے کی بہت تاکید فرمائی یہاں تک کہ اپنی اولاد کے لئے بھی آپ نے سوال سے کراہت اور محنت مشقت کی زندگی کو ترجیح دی۔

حضرت ابن اعبد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ کیا میں تجھے اپنا اور فاطمہ بنتِ رسول کا ایک واقعہ نہ سناؤں۔حضرت فاطمہؓ آنحضورؐ کو اپنے تمام رشتہ داروں سے زیادہ پیاری تھیں۔میں نے کہا کیوں نہیں ضرور سنائیں اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ چکی چلا چلا کر فاطمہ کے ہاتھ میں گٹے پڑ گئے اور پانی ڈھوڈھو کر سینے پر مشکیزہ کے نشان پڑ گئے گھر میں جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے میلے کچیلے ہو جاتے۔اس عرصہ میں حضورؐ کے پاس کچھ خادم آئے میں نے کہا فاطمہ حضورؐ کے پاس خادم آئے ہوئے ہیں اگر مانگو گی تو ایک مل جائے گا جاؤ جا کر کوئی خادم مانگ لو۔جب وہ حضورؐ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ لوگ بیٹھے

ہوئے ہیں آپ واپس آ گئیں دوسرے دن پھر گئیں حضورؐ نے پوچھا کیسے آئی ہو تو آپ پھر خاموش رہیں حضرت علیؓ نے کہا میں بتاتا ہوں یہ کس لئے آئی ہیں۔ چکی چلا چلا کر ہاتھ میں گٹے پڑ گئے ہیں اور مشک اُٹھا اُٹھا کر سینے پر نشان پڑ گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس خادم آئے تو میں تمہیں دوں گا پس آپ اسے کوئی خادم دے دیں تاکہ یہ اس جانکاہ محنت سے بچ جائے۔ آنحضور یہ سن کر فرمانے لگے فاطمہ اللہ سے ڈرو۔ اپنے رب کے فرائض ادا کرو۔ گھر کے کام کاج خود کرو۔ جب رات کو سونے لگو تو 33 بار سبحان اللہ 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر کا ذکر کرو۔ یہ کل سو بار ہوئے یہ نوکر چاکر کی تمنا سے بہتر ہے۔ اس پر فاطمہؓ نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اُس کے رسول کی رضا پر راضی ہوں۔ (سنن ابو داؤد کتاب)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انسان کو بیٹھے بٹھائے سب کچھ مل جاتا اور اُسے کچھ بھی نہ کرنا پڑتا اس صورت میں اچھے اعمال کی صورت میں ترقی کی دوڑ اور دوسروں سے سبقت لے جانے کی خواہش ختم ہو جاتی اگر محنت نہ ہوتی تو زندگی کی امنگ ختم ہو جاتی۔ زندگی کے مقاصد ختم ہو جاتے جبکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ انسان اُس کی دی ہوئی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کو سنوارے خوب سے خوب تر بناتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتا چلا جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم سورۃ الانشقاق آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

یَاۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡہِ (الانشقاق:7)

”اے انسان تو پورا زور لگا کر اپنے رب کی طرف جانے والا ہے اور پھر اُسے ملنے والا ہے“

غرض دنیا کی اور آخرت کی کوئی نعمت بغیر محنت کوشش کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسان زمین میں بیج ڈالتا ہے۔ فصل کو پانی دیتا ہے کھاد ڈالتا ہے۔ سال یا چھ ماہ تک راتوں کے اوقات میں اور دن کو فصل کی دیکھ بھال کرتا ہے اگر وہ محنت نہ کرے تو یہ جو اناج، پھل، سبزیاں، کپاس بازاروں سے مفقود ہونا شروع ہو جائیں اور انسان، حیوان، چرند، پرند بھوکے مرنے لگیں۔ اگر مزدور کارخانوں میں کام نہ کریں تو انواع و اقسام کی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء مارکیٹ سے غائب ہو جائیں۔

پھر معمار اگر فارغ بیٹھ جائیں تو ہمارے سر پر چھت نہ ہو، نہ کوئی مکان بنے، نہ دوکان، نہ کوٹھیاں، نہ بنگلے، نہ حویلی، نہ جھونپڑی۔ گرمی، سردی، بارش سے سر چھپانے کو جگہ نہ ملے۔ پھر لوہار اگر لوہے کی اشیاء بنانا چھوڑ دے تو نہ چھری، نہ کانٹا، نہ ہتھوڑا، نہ چھینی، نہ کانڈی، نہ کرمالا، نہ درانتی، نہ گنڈاسا بنے۔ ان اشیاء کے بغیر ہی زندگی مفلوج ہو جائے۔ آج جو معیارِ زندگی بلند ہوا ہے طرح طرح کی مشینیں ایجاد ہوئی ہیں جنہوں نے زندگی کو بہت سہل اور آسان بنا دیا ہے۔ یہ لمبے عرصے تک بہت سے محنتی انسانوں کی محنت مشقت اور کوشش کا ثمر ہے جن سے گھنٹوں کا کام منٹوں میں اور منٹوں کا کام سیکنڈوں میں ہوتا ہے۔ اب سفری سہولتوں کو ہی لے لو اگر انسان محنت نہ کرتا تو یہ موٹریں، کاریں، ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں، بحری جہاز، موٹر سائیکل اور بائیسکل وغیرہ وجود میں نہ آتے جن کی بدولت مہینوں کا سفر چند گھنٹوں میں اور گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ ذرائع رسل و رسائل تو جادوئی دنیا میں لے جاتے ہیں۔ جب ایک بٹن دبانے یا انگلی ٹچ کرنے سے انسان زمین کے دورے کنارے پر بیٹھے ہوئے انسان سے گفتگو کر سکتا ہے اُس کے حالات دریافت کر سکتا ہے۔ انٹرنیٹ بھی کیا چیز ہے اور کیا حیرت انگیز ایجاد ہے۔ معلومات کا خزانہ ہے جو چیز بھی آپ سیکھنا چاہیں اس میں موجود۔ جو بھی آپ کا ذہن استفسار کرتا ہے وہ چیز حاضر ہے۔ لمبے عرصے سے محنتی انسانوں کی کوششوں کا یہ ثمرہ ہے جو اس نفع رساں چیز کی صورت میں نوع انسان کو مل رہا ہے۔ کمپیوٹر نے زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کر دیا ہے محنت کے بل بوتے پر ہی انسان نے خلاء کو تسخیر کر لیا ہے، چاند تک جا پہنچا، سیاروں تک کمندیں ڈال رہا ہے۔ دورِ حاضر کی زندگی بہت تیز ہے ہر کوئی دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے۔ دنیاوی میدان میں بھی انقلاب برپا ہو رہے ہیں اور روحانی میدان میں بھی جو محنت سے جی چراتا ہے سہل پسند ہے وہ پیچھے رہ جاتا ہے سیّدہ صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ ایک نظم میں اس حقیقت کی عکاسی یوں فرماتی ہیں:

سست رو راہ رو جانتے کیا نہیں
وقت کا کارواں کب رکا ہے کہیں
جن کے بھی پاں ذرا ڈگمگائے قدم
چھوڑ پیچھے اُنہیں قافلے بڑھ گئے

(ہے دراز دستِ دعا میرا صفحہ 192)

کائنات کی ہر شے متحرک ہے کیوں کہ حرکت زندگی ہے اور جمود موت۔ انسان تو انسان آپ جانوروں، پرندوں، حشرات الارض کو دیکھ لیں کس طرح صبح سے شام تک اپنے رزق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور شام کو خوب سیر ہو کر اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ اب چیونٹی کی مثال دیکھ لیں وہ نہ صرف روز کا روز ہی اپنی خوراک کی تلاش کرتی ہے بلکہ جاڑوں کے لئے ذخیرہ بھی کرتی ہے۔ تلاشِ رزق کے لئے اور اپنی بقاء کے لئے اُس کی جدوجہد مثالی ہے۔

حیرت ناک یہ ننھا سا کیڑا کس قدر مشقت اٹھا کر یہ اپنی بقا کا سامان کرتا ہے غرض ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا جاندار اپنی بقا کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔ پرندے کیسی لمبی اُڑانیں بھرتے ہیں اپنی خوراک کی تلاش کے لئے الغرض ہر روحانی یا مادی نعمت کوشش اور سخت جدوجہد کی طالب ہے ورنہ منزل مقصود تک رسائی ناممکن ہے۔ یہ تو انواعِ جاندار کی چند مثالیں تھیں کائنات کا ذرہ ذرہ حرکت میں ہے اگر ایک لمحے کے لئے کائنات پر جمود طاری ہو جائے تو فی الفور یہ کارخانۂ عالم نیست و نابود ہو جائے اور اس جہاں کی صف لپیٹ دی جائے۔ سورج چاند ستارے اپنے اپنے مداروں پر رواں دواں رہتے ہیں جو تمام کائنات کی بقا کے ضامن ہیں تمام

مخلوقات پر اُن کے اثرات ہیں بلکہ مخلوقات عالم کی زندگی کا انحصار ہی اُن کی گردش پر ہے۔فرض کیجئے اگر سورج ساکن ہوجائے یا چاند یا زمین اپنی اپنی گردش روک دیں تو فی الفور کائنات کی صف لپیٹ دی جائے۔کس طرح سورج ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر طلوع ہوتا ہے جو زندگی کی بقا کا ضامن ہے۔دھوپ سے فصلیں پروان چڑھتی ہیں پودوں میں کلوروفل بنتا ہے جو تمام جانداروں کی زندگی ہے۔بیماریاں پیدا کرنے والے جرمز ہلاک ہوتے ہیں۔سورج، سمندروں، دریاؤں، جھیلوں، ندی نالوں سے بخارات اُٹھاتا ہے جو تازہ میٹھے پانی کی صورت میں خلقِ خدا کی سیرابی کا موجب ہے ایک عالم کی پیاس بجھتی ہے گویا ہمیں خوراک اور پانی سب کچھ سورج ہی مہیا کرتا ہے۔پھر چاند کی اپنی تاثیریں ہیں سبزیوں و پھلوں کی نشوونما میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔مدوجزر کے ذریعے سمندروں کے پانیوں کی حرکت میں رکھتا ہے اور پانی سڑتا نہیں جو سمندری مخلوق کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ستاروں کی اپنی تاثیریں ہیں وہ بھی مخلوقات پر اچھے اثرات ڈال رہے ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کو کام میں لگایا ہوا ہے۔کیا کیا کام ہوائیں کرتی ہیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں تمام عالم میں اللہ کی رحمت کو پھیلاتی ہیں ہر جگہ برستی ہیں بیجوں کو اٹھا کر دور دور پھینک دیتی ہیں جس سے زمین میں جنگلات کی تخم ریزی ہوتی ہے موسموں کو ٹھنڈا اور خوشگوار بناتی ہیں پانیوں کا نظام بھی حرکت کا مرہونِ منت ہے۔ندی نالے دریا حرکت میں ہیں جب ہی تو فصلوں کو پانی پہنچتا ہے۔پہاڑوں سے برف پگھل پگھل کر پانی رواں ہوتا ہے جو ڈیموں کی صورت میں محفوظ کیا جاتا ہے۔جن چیزوں کو ہم جامد و ساکن سمجھتے ہیں وہ بھی حرکت میں ہیں۔قرآن کریم کی سورتے نمل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ (النمل:89)

"تم پہاڑوں کو سمجھتے ہو کہ زمین میں گڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔"

اس میں زمین کے سورج کے گرد گردش اور اپنے مدار پر گھومنے کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے سمیت ہر چیز کو لے کر گھوم رہی ہے ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات میں کام کام اور فقط کام ہو رہا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

میں نے کائنات کی ہر شے کو تمہاری خدمت پر لگایا ہے اور تمہارے لئے کام پر لگایا ہوا ہے تو پھر اے انسانوں میں نے تمہیں بھی بے کار پیدا نہیں کیا کام کے لئے اور دنیا میں اعلیٰ اعمال کے لئے تمام کائنات کو تسخیر کرنے اور اپنے نشانات پر غور و فکر کے لئے پیدا فرمایا۔اپنی عبادت کے لئے اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور بہت اعلیٰ مقاصد ہیں تمہاری پیدائش کے تاکہ تم اپنی جسمانی بقا کے لئے رزقِ حلال کی تلاش کر کے سخت محنت کرو اور اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچادو اور روحانی بقاء کے لئے بھی سعی و کوشش جاری رکھو تاکہ تمہیں میری خوشنودی نصیب ہو۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر 195 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ترجمہ:اے ہمارے رب ہمیں وہ وعدہ عطا فرما جو تونے اپنے رسولوں پر ہمارے حق میں فرض کر دیا تھا یعنی ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر نا یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول کر لی یہ کہتے ہوئے کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا خواہ مرد ہو یا عورت۔

یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ دوسرے نیک اعمال اور عباداتِ الٰہیہ کی طرح حلال روزی کمانے والا، رزقِ حلال سے اپنے بچوں کی پرورش کرنے والا، رزقِ حلال سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنے والا بھی اللہ کا پیارا ہے اور خدا تعالیٰ ایسے شخص پر محبت کی نظر ڈالتا ہے۔اللہ ایسے لوگوں کے اعمال ضائع نہیں کرے گا بلکہ اُنہیں بہت بڑے درجات ملیں گے۔بعض لوگوں کے پاس وسائل ہوتے ہیں انہیں ضرورت نہیں ہوتی نان و نفقہ کے لئے کمانے کی انہیں بھی فارغ نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ جماعتی کام یا رفاعِ عامہ کے یا نوعِ انساں کی بہبودی کے کام کرنے چاہیں۔

آنحضورؐ کے زمانہ میں بعض صحابہ کے پاس کچھ بھی راہِ خدا میں خرچ کرنے کو نہ ہوتا تو وہ محنت مزدوری کر کے خدا کی راہ میں خرچ کرتے۔

حضرت ابو صعود روایت کرتے ہیں کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم مزدوری کے لئے چلے جاتے اور مال کماتے تاکہ راہِ خدا میں خرچ کرسکیں۔اور جو بھی کماتے آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔حضرت ابو عقیل ایک مرتبہ مجاہدین اسلام کے لشکر کی تیاری میں حصہ لینے کے لئے ساری رات مزدوری کرتے رہے اور دو صاع یعنی سات سیر کھجوریں حاصل کیں آدھی اپنے گھر والوں کو دے دیں اور آدھی آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔آنحضورؐ کی حرم محترمہ حضرت زینبؓ بنت جحش کاریگر تھیں وہ چمڑے کو رنگتیں اور سی لیا کرتی تھیں اور اس کسب کے ذریعے اللہ کی راہ میں خرچ کرتی تھیں۔

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت زینبؓ سوت کاتتی تھیں اور اس کی آمد سے راہِ خدا میں خرچ کرتی تھیں۔

محنت کی عظمت پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی زندگی کے واقعات کس قدر قابلِ تقلید ہیں۔آپ فرماتے ہیں: میں نے خود زمینداری کی ہوئی ہے احمد نگر میں اور میں اتنی محنت کیا کرتا تھا کہ آپ میں سے بہت سے نہیں کرسکتے۔اکیلا ڈھائی من کی بوری اپنی پیٹھ پر لاد کر ٹرالی میں ڈالا کرتا تھا اور مسلسل لادتا تھا تاکہ مزدوروں کو پتہ چلے کہ یہ کوئی ایسا کام نہیں جو میں اُن کو دیتا ہوں اور آپ نہیں کرسکتا۔اسی طرح زمین سے پیداوار اپنے سائیکل پر لاد کر خود اپنے گھر پہنچایا کرتا تھا بعض دفعہ فصل پکنے پر 18-18 گھنٹے اپنی زمین پر محنت کرتا تھا تو یہ خیال نہ کریں کہ جو باتیں میں آپ سے کہتا ہوں خود اس سے نا آشنا ہوں بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بہت سی ایسی محنتیں ہیں جو میں نے کی ہیں جن میں سے آپ میں سے اکثر نہیں کرسکتے۔

یورپ کے ماحول میں میرا یہ دستور تھا کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک مہینہ سیر کی خاطر محنت کر کے کمائی کرتا تھا اور ایسی سخت محنت کی ہوئی ہے کہ جس کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اخبار کے بہت بھاری پیکٹ گاڑیوں میں لادنے ہوتے تھے اور رات سے صبح تک پورے آٹھ گھنٹے مسلسل کام کرنا ہوتا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ اب ٹرک ختم ہوا تو عین اُس وقت دوسرا ٹرک پہنچ جاتا تھا۔ ساری رات صبح آٹھ بجے تک کمر اتنی دکھنے لگتی تھی کہ واپس آکر بخار چڑھ جاتا اور میں سوچا کرتا کہ شائد اب مجھے دوبارہ واپس جانے کی توفیق نہ مل سکے لیکن کچھ آرام کر کے جب تھکاوٹ ذرا دور ہوتی تو رات کو دوبارہ پھر وہی مسلسل کام اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ میں محنت کی قیمت نہیں جانتا اور اپنے ہاتھ کی کمائی میں جو برکت ہے اس سے نا آشنا ہوں۔ اب میں آپ کو ایک اور بات سمجھاؤں کہ اب بھی اللہ کے فضل سے آپ لوگوں کی خاطر ہر قسم کی محنت کرتا ہوں جسمانی محنت بھی آپ مجھ سے ملاقاتیں کرتے ہیں آپ کو شائد اندازہ نہیں کہ اس میں کتنی محنت کرنی پڑتی ہے پھر رات کو آپ کے لئے دعائیں کرنا آپ کے غم میں غمگین ہونا آپ کی خوشیوں میں شریک ہونا جتنی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی ہے میں کبھی اس سے باز نہیں آیا۔ (الفضل سیدنا طاہر نمبر 27 دسمبر 2003ء)

آخر میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی ایک فکر انگیز نظم پر اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں جس میں آپ نے ہمیں مسلسل کوشش جدوجہد وغیرت وحمیت اپنے اندر پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور آپ کی یہ آرزو ہے کہ ہر احمدی اپنی محنت اور کوشش سے اپنی صلاحیتوں کو کمال تک پہنچا دے اور ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل ہو جائے ۔آپ فرماتے ہیں

میں اپنے پیاروں کی نسبت ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پر راضی ہوں ان کی نِگہ رہے نیچی
وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شیروں کی طرح غرّاتے ہوں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں تو منہ میں کف بھر لاتے ہیں
وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر امید لگائے بیٹھے ہوں
وہ ادنیٰ ادنیٰ خواہش کو مقصود بنائے بیٹھے ہوں

حضور اس نظم میں فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنے ارادوں عزم و ہمت کو بلند رکھنا چاہیے۔ ہمارے اندر اعلیٰ اوصاف ہونے چاہیے ہمارے مقاصد چھوٹے نہ ہوں بلکہ دنیا و آخرت میں اعلیٰ مقام کے حصول کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے اور اپنی طاقتوں اور صلاحیتوں کو کمال تک پہنچاتے ہوئے ترقی کی منازل طے کرتے چلے جانا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں تُو اس مقام پر پہنچے جس تک دوسروں کی رسائی ممکن نہ ہو سب دنیا کو دینے والا ہو اور تیرے ہاتھ کسی کے آگے پھیلے نہ ہوں اس طرح تو مجھے پیارا اور میری آنکھوں کا تارا بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## عزیزم طالع احمد شہید کے نام

صفیہ چیمہ فرینکفرٹ

"اک ہیرا مٹی میں رکھ دیا اے طالع تو نایاب ہے"
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
طالع شہید زندہ باد حیات ہے حیات ہے
کیا مرتبہ شہید کا کھلا ہوا یہ باب ہے
فرشتے خود بلائیں لیں کھلا ہوا گلاب ہے
شہید ِراہِ دینِ حق کا پا گیا خطاب ہے
کل ذکر طالع شہید کا بھرا دل میں اضطراب ہے
طالع لاڈلا تھا حضور کا لیا پیار بے حساب ہے
خدمت دیں میں مگن رہا لٹایا اپنا شباب ہے
ہے نسبت آل ِ محمدی دُھرا گیا نصاب ہے
کئی سبق دے کے چلا گیا تیری زیست کھلی کتاب ہے
اک ہیرا مٹی میں رکھ دیا اے طالع تو نایاب ہے
دے صبر مولا صبر دے دل درد سے بےتاب ہے
مولا کے گھر میں صبر کا بھی اجر بےحساب ہے
تیرے لئے کھلا ہوا رحمتوں کا باب ہے
اللہ ایسے طالع عطا کرے وہ گوہر نایاب ہے

## اور کتنا لہو؟

امۃ الباری ناصر

میری ارضِ وطن! اور کتنا لہو؟
اے دریدہ بدن! اور کتنا لہو؟
کس بلا کی ہے پیاسی یہ تیری زمیں
اور کتنے کفن؟ اور کتنا لہو؟
یہ ترا حسن کس کی نظر کھا گئی
کیا ہوا بانکپن؟ اور کتنا لہو؟
ہر طرف خوف و دہشت کا ہی راج ہے
چل بسا فکر و فن۔ اور کتنا لہو؟
تیرے دامن میں نفرت تعصب ہے اب
کس قدر ہے جلن؟ اور کتنے لہو؟
ساتھ اپنے ہے تائید ربُ الورا
سب ہے اس کی چبھن اور کتنا لہو؟

# سکونِ قلب

تحریر: فائزہ حبیب۔ کراچی

اکثر اوقات فقہی مسائل کی مجالس میں نماز کے متعلق مختلف سوالات کئے جاتے ہیں ہر خاص وعام چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کو یوں سوال کی صورت میں پیش کرتا ہے گویا نماز نہیں کوئی آرمی کی پریڈ ہے کہ ذرا سا بھی انسان چوک نہ جائے۔ کبھی سوال ہوتا ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر باندھے جائیں یا ناف کے نیچے۔ پائنچے ٹخنوں سے کتنے انچ اوپر ہوں اور کتنے انچ نیچے۔سجدے کی صورت میں کوہنی زمین پر ہو یا اوپر وغیرہ وغیرہ۔۔۔

میرا مختصر تجربہ ہے لیکن سب سے مختلف ہے۔

نماز ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو حقیقی دنیا سے نکال کر تصوف اور تصور کی دنیا میں لے جاتا ہے اصل نماز وہ ہے جس میں جسم آداب نماز سے بالا ہو جاتا ہے اور انسان کی روح سجدہ گاہ پر گلہ کٹی بکری کی طرح تڑپ رہا ہوتا ہے۔

یہاں نفس کی موت ہوتی ہے حواس خمسہ اپنی تمام تر طاقتوں کے ساتھ اپنے خالق کے حضور جھک جاتے ہیں۔نماز ایک اسے عالم کا نام ہے جہاں انسان ہر بار گناہ اپنے کندھوں پر لاد کر جاتا ہے اور واپسی پر ایک پاکیزہ پر نور روح لیکر لوٹتا ہے۔ دنیا کے جھمیلوں میں پھنسا ہوا انسان جب اللہ اکبر کی صدا بلند کرتا ہے تو تمام مشکلات پریشانیاں بیماریاں چھوٹی لگنے لگتی ہیں۔ الحمد اللہ رب العلمین کے الفاظ انسان کے جسم پر لرزہ طاری کر دیتے ہیں اور انسان ایک عالم تصور میں کھو جاتا ہے جہاں اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے دربار میں کھڑا ہے جس کا بادشاہ تمام بادشاہوں سے بڑا ہے اور اس وقت وہ میری عرضی سننے کے لئے حاضر ہے جب کے وہ میرے تمام تر اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ اس سوچ کے ساتھ ایک انسان کی آنکھوں میں خوف کے آنسو کیسے نہیں بہتے جسم پر لرزہ کیسے طاری نہیں ہوتا۔لیکن آج تک کسی مجلس میں یہ سوال نہیں ہوا کے جسم کی اس بے اختیاری کی صورت میں نماز خراب تو نہیں ہوتی؟۔

الرحمن الرحیم کے الفاظ خدا کی محبت اور رحیمیت کا یقین دلاتے ہیں جبکہ وہ خدا انسان کے کاندھوں پر گناہوں کا گٹھر دیکھ رہا ہوتا ہے پھر بھی یقین دلاتا ہے کہ میں تجھ پر رحم کروں گا ایسی بے غرض اور والہانہ محبت دیکھ کر جب انسان کا دل الفت الہی سے لبریز ہوتا ہے تو بے ساختہ دایاں ہاتھ دل کی طرف بڑھتا ہے کہ محبت الہی کے جوش سے بھری ہوئی دھڑکنیں سینے سے باہر ہی نہ آ جایں۔

آج تک کسی مجلس میں یہ بھی سوال نہ ہوا کہ دل پر ہاتھ رکھنا نماز کا حصّہ نہیں تو کہیں اس سے نماز خراب تو نہیں ہوجاتی؟۔

مالک یوم دین کے الفاظ جب انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن یوں ہی تو ہاتھ باندھے سر کو جھکاے اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہو گا اس وقت سے پہلے اپنے خدا کی طرف لوٹ آ۔

میرے حساب سے سورہ فاتحہ کے مکمل ہونے تک انسان اس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اسکا وجود اسکا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اپنے اعمال اور محبت الہی کا ایک ایسا رخ اس کے سامنے آتا ہے کہ وہ آداب نماز کے تحت نہیں بلکہ آداب عشق کے تحت گھٹنوں پر جھک جاتا ہے اور اپنے رحیم خدا کی بے ساختہ حمد بیان کرتا ہے اور جب وہ عظیم خدا اسے پوری محبت کے ساتھ دوبارہ سیدھا کھڑا کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ خدا نے اس کی سن لی جس نے اسکی حمد کی۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب انسان خدا کی بے پناہ محبت سے سرشار ہو کر بے ساختگی کے ساتھ اس کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتا ہے ان لمحوں میں انسان خود اپنا بھی نہیں رہتا اسکی روح عشق الہی میں سرشار ہو کر اپنے خدا کو سجدے کرتی ہے آنسوؤں کی ایک آبشار ہوتی ہے جو آنکھوں سے رواں ہوتی ہے۔ اب جبکہ روح سجدہ ریز ہے تو جسم کی کیا جسارت کہ اسے آداب نماز سکھائے۔

کیا ایسی نمازیں اب کوئی بھی نہیں پڑھتا اگر پڑھتا تو سوال بھی اسی طرح کے ہوتے۔شاید امت مسلمہ میں موجود بے چینی اور بے سکونی کا سبب وہی نمازیں ہیں جو اجکل پڑھی جارہی ہیں۔

نماز ایسی ہو کہ انسان اللہ اکبر کہے اور سجدہ روح کرے۔

آداب ملاقات رسمی ملاقات کے ہوتے ہیں
عشق کے بھی بھلا کوئی اصول ہوتے ہیں؟

❁❁❁

# علم ریاضی کی ترقی میں مسلمانوں کا کلیدی کردار

تحریر: پروفیسر حسین نصر

فنونِ لطیفہ کی مختلف انواع ہوں یا طبیعاتی و تکنیکی امور، ریاضی کا استعمال ناگزیر ہے۔ اس دورِ تہذیب میں اسے انتہائی عظمت ملی۔

زبان اور فکر کا الجبرا اتنی خوبصورتی کے ساتھ عربی اور دوسری زبانوں میں مستعمل ہے کہ ان سے اسلام کی اعلیٰ ترین اقدار کی جھلک ملتی ہے۔ یہ اسلام کے روحانی انداز کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ ریاضی کو قدیم روایات میں کس قدر اہمیت حاصل تھی۔ مسلمانوں کو ابتدا ہی سے ریاضی، خصوصاً اس کی دو شاخوں علم الاعداد اور علم ہندسہ سے بڑا لگاؤ رہا ہے۔ ان کا براہِ راست تعلق اسلامی تعلیمات کے جوہر سے ہے۔ اس حقیقی جوہر کو ہم وحدانیت کے فلسفے یعنی ''توحید'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدا ایک ہے۔ پس نمبروں کی پوری سیریز میں نمبرا اپنے ماخذ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ وحدانیت کی علامت ہے اور پھر اگر آپ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نمبروں کا پورے کا پورا سلسلہ بذاتِ خود توحید یعنی وحدانیت کی طرف جاتا ہے۔ وہ یوں کہ یہ نمبر درحقیقت ایک سیڑھی کی مانند ہیں۔ آپ اس پر چڑھ کر بے شمار عددوں سے وحدانیت کی طرف جا سکتے ہیں۔ ''اخوان الصفا'' کے نظریات میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں درج ہیں۔ عربی حروفِ تہجی کے حروف کی عددی علامت الجفر کی سائنس سے منسلک ہے۔ انہیں حضرت علیؓ ابنِ ابی طالب نے مرتب کیا تھا۔ یہ ہماری کتابِ مقدس یعنی قرآنِ کریم کے بعض پیغامات سے بڑی گہرائی اور اندرونی صفات کی وضاحت کرتے ہیں۔ فیثاغورس کے فلسفے سے اتفاق کرنے والے لوگ اسلامی پیغامات کے زورِ کلام کو سمجھنے کے لیے صرف امداد دیتے تھے۔ ان کا ماخذ وہ الہام تھا جو خدا نے اپنے برگزیدہ نبیوں پر اتارا۔ اس کے دوسرے ماخذوں میں اسلام کی روحانی اور لسانی تعلیمات تھیں، جنھیں ان کی مقدس اشکال سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

عظیم الشان فلسفے سے لے کر گھریلو مٹی کے برتنوں تک میں ہمیں تمام دنیا ایک مربوط شے کی صورت میں دکھائی دے گی۔ اس کا براہِ راست تعلق علم ریاضی سے ہے۔ ہم ان باتوں کو روایتی انداز میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو قدیم زمانے میں ریاضی سے بڑا لگاؤ تھا اور انہوں نے اس پر بڑا کام کیا تھا کیونکہ وہ اس میں پوشیدہ روحانیت کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ روایتی ریاضی اور جدید ریاضی میں اہم اور بڑا فرق یہ ہے کہ روایتی ریاضی اشکال اور اعداد کے صفاتی نظریات سے متعلق تھی لیکن اس کے برعکس جدید ریاضی اشکال اور اعداد کی مقداری نظریات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس موضوع پر فیثاغورس اور ایچ سیز نے کتابیں لکھی ہیں۔ فیثاغورس کی ریاضی کو دوسری سائنسوں پر بھی نافذ کیا گیا ہے۔ ایرانی ذرائع ہندوستانی مکاتب ہائے فکر سے متاثر تھے۔ ان کا تعلق علمِ نجوم سے بھی تھا۔ اس طرح مسلمانوں نے ہندوستانیوں سے جو کچھ لیا اس میں بھی اس علم کی آمیزش تھی۔ اس سلسلے میں مسلمانوں نے برہمن گپتا اور آریہ بھٹ کی تحریروں سے استفادہ کیا۔

**کتابِ اعداد:**

جب بھی کبھی مغربی مفکرین اسلامی تہذیب پر غور و فکر کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں عربی ہندسوں کا خیال آتا ہے جو چوتھی صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک اسلامی دنیا سے مغرب کی طرف منتقل ہوئے۔ اہلِ عرب کی اس ایجاد نے مغرب میں خاصی اہمیت حاصل کر لی۔ اس کی اہمیت کے بارے میں بعض مغربی مورخین نے ایسی قوت کو نئے طریقے سے استعمال کرنے سے تعبیر کیا۔ نیز ان مورخین نے یہ بھی کہا کہ اس کام کی اہمیت بالکل ایسی ہے جیسے شمالی یورپ کے علاقے کی آبادکاری۔ ان تمام کے ساتھ ساتھ طرزِ کتابت اور مواد کا جائزہ لیتے وقت لاتعداد دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تب کہیں جا کے ہم ریاضی کی دوسری شاخوں تک پہنچ سکیں گے۔ آج اگر کوئی اسلامی دنیا کا سفر کرے۔ اسلام کے مشرقی علاقوں سے گزرے تو وہ دیکھے گا کہ مغرب بعید جیسے مصر کے علاقوں میں اب بھی اسی نوعیت کے ہندسے لکھے جاتے ہیں: 0123456789

شمالی افریقہ میں بھی اسی طرز کے ہندسے لکھے جاتے ہیں۔ یہ طرز شمالی افریقہ اور عرب خطوں کے درمیان ماضی کے تاریخی رشتوں کی عکاسی کرتی ہے۔ اب یہ عربی طریقہ کہلاتا ہے اور تمام مشرقی اسلامی ممالک میں مستعمل ہے۔ دراصل مسلمان اس طرز کو انگلیوں پر شمار کرتے تھے۔ یہ طرز ''حساب الہاد'' کہلاتا تھا۔ چونکہ مسلمانوں نے یہ طریقہ ہندوستان سے لیا تھا، اسی لیے اسے ہندی طریقہ بھی کہتے ہیں۔ اس وقت تک اعشاری نظام بھی دریافت ہو چکا تھا۔ ان علوم سے مسلمانوں نے مزید علوم ماخذ کیے۔ حساب الجمل دریافت کیا جس میں حروفِ تہجی کو عددی ہندسوں کی علامت کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس طریقے کی بنیاد یونانی طرز پر رکھی گئی۔ جلد ہی یہ علم مسلمان دنیا سے دوسرے علاقوں میں پھیل گیا۔ چونکہ یونانی گنتی کو نجومی زیادہ تر استعمال کرتے تھے۔ اس لیے انہی کے حوالے سے اسے حساب النجوم کہا جانے لگا۔ نویں صدی ہجری کے آخر میں سبط المردانی نے اپنی کتب میں اس طریقے پر خاصہ تحقیقی کام کیا ہے۔ جہاں تک اعشاری نظام کا تعلق ہے مسلمانوں نے بہت سے دوسرے طریقوں کو آپس میں مخلوط کر کے اس طریقے کی بنیاد ڈالی ہے۔ عربی یا ہندی طرز کتاب الاعداد پہلی بار محمد ابن موسیٰ الخوارزمی نے استعمال کیے۔ اس کا اصل مسودہ تو گم ہو گیا لیکن اس کے ترجمے ابھی تک پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب کا تو لندن سے ترجمہ بھی شائع ہوا تھا مغرب اور مغربی زبانوں پر اس ترجمے کا بڑا گہرا اثر مرتب ہوا چنانچہ انگریزی ہسپانوی اور دوسری اہم زبانوں میں استعمال ہونے والے الفاظ بھی ان ہی سے بنے تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں ابوالحسن اقلیدسی نے ایک کتاب تحریر کی جس میں کمال مہارت کے ساتھ ہندوستانی گنتی کو انگلیوں پر شمار کرنے کے طریقے سے ملا کر بحث کی۔ البتہ اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح ڈسٹ بورڈ نظام کو ہٹا کر اسے سیاہی اور کاغذ کے نظام

سے مربوط کر دیا جائے۔ اس کے برعکس اس سے قبل ابوالوفا نے گنتی کو ڈسٹ بورڈ تکنیک پر منضبط کرنے کی بجائے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ جبکہ ابوالوفا کے بعد اسی صدی میں ابوالحسن النساوی نے علمِ ریاضیات پر ایک اور جامع کتاب تحریر کی۔ یہ کتاب اس نے پہلے فارسی میں اور پھر عربی میں لکھی۔ پانچویں صدی ہجری تک اعشاری نظام اور یہ دونوں نظام پوری طرح رائج ہو چکے تھے اور مسلمانوں سے ہوتے ہوئے مغربی دنیا تک پہنچ چکے تھے۔ اس کے بدلے میں وہاں سے انہیں ایسی معلومات حاصل ہوئیں جو زندگی میں تجارت وغیرہ کے حسابات رکھنے میں بے حد معاون ثابت ہوئیں۔

## تخمینہ اور عددی نظریہ:

مسلمانوں میں عدد اور شماریات کی تاریخ بڑی قدیم ہے۔ ابتدا میں مسلمان یونانیوں کے اتباع میں ''علم الاعداد'' اور ''علم الحساب'' میں تفریق رکھتے تھے۔ بعد میں کئی بار موخر الذکر کو علم الجبرا کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ جسے انہوں نے ترقی دی۔ بعد کی صدیوں میں یہی دونوں نام مستعمل تھے جبکہ ''حساب'' کا لفظ یونانیوں سے اخذ کیا گیا جسے مستند مصنفین نے بھی اپنایا۔ زیادہ تر مسلمان ریاضی دانوں نے عددی علوم پر لکھا لیکن شاذونادر ہی کوئی مقالہ ایسا بھی لکھا گیا جو محض اسی علم کے لیے مخصوص تھا۔ زمانہ قدیم میں مسلمان جن باتوں پر توجہ دیتے تھے ان کا تعلق طلسمی مربعوں اور محبانہ اعداد سے تھا۔ وہ انہیں پر اسرار سائنسی علوم' سحر اور علمِ کیمیا گری میں استعمال کرتے تھے۔ جہاں تک طلسمی مربعوں کا تعلق ہے' اسے جابر بن حیان نے کیمیا گری میں استعمال کیا ہے اور ''اخوان الصفا'' نے اس کا حسابی طریقے سے جائزہ لیا ہے جو ان مربعوں کے چھتیس قسم کے اجزا سے واقف تھا۔ شمس الدین بونی نے اس پر مزید تحقیق کی اور نسبتاً بڑے مربعے بنانے کے لیے کلیہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ محبانہ اعداد کا کلیہ ثابت بن قرۃ نے بنایا تھا۔ اس گہرے غور و فکر سے اعداد کی کثیر تعداد کا مطالعہ شروع ہوا جس سے بہت سے ریاضی دانوں کا واسطہ پڑتا تھا مثال کے طور پر چوتھی صدی ہجری میں الکارجی نے اپنی کتاب ''الفخری'' میں اکثریتی اعداد کے لیے باقاعدہ ایک باب مختص کیا ہے۔ جبکہ اس کے ہم عصر البیرونی نے اس کے بارے میں متعدد مضامین تحریر کیے۔ اس سلسلے میں البیرونی کا بہترین کام شطرنج سے متعلق ایک مسئلہ تھا جو یوں ہے: شطرنج ایجاد کرنے والے نے جب بادشاہ کو تحفتاً شطرنج پیش کیا تو اس نے خوش ہو کر اس سے پوچھا کہ اسے کیا انعام دیا جائے تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اسے شطرنج کے خانوں کے مطابق اس ترتیب سے اناج کے دانے دیے جائیں کہ پہلے خانے میں ایک دانہ' دوسرے میں دو' تیسرے میں چار اور اسی طرح اگلے خانوں میں پچھلے خانوں سے دوگنے دانے ہوں۔ اسی طرح چونسٹھ خانوں میں دانے بھر دیے جائیں۔ بادشاہ نے پہلے تو یہ بات مان لی لیکن بعد میں حساب کتاب کے بعد پتا چلا کہ اتنے دانے تو اس کی پوری ریاست میں موجود نہیں۔ ریاضی کے اس مخصوص مسئلے کو البیرونی نے حل کیا۔ البیرونی کا جواب یہ تھا۔ کل: ۶۱۵' ۵۵۱' ۷۰۹' ۰۷۳' ۷۴۴' ۴۴۶' ۱۸ دانے۔

کثیر الاعداد اور حساب غیاث الدین جمشید کاشانی کی تحقیق سے اپنی انتہائی شکل تک پہنچا جو ایران کا مشہور ریاضی دان تھا۔ اس نے ریاضی میں حیرت انگیز اضافے کیے جو صدیوں تک نظرانداز کیے جانے کے بعد اب منظر عام پر آ رہے ہیں۔ کاشانی نے نہ صرف اعشاری کسور ایجاد کیں جن سے نامکمل اعداد کو حل کیا جا سکتا تھا بلکہ اس نے نامعلوم رقم کی صحیح قیمت معلوم کرنے کا طریقہ بھی ایجاد کیا۔ اسی کو ہندسی مشین بنانے والا بھی تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے حساب پر ایک ''معرکۃ الآرا'' کتاب بھی تحریر کی۔ عددی سائنس میں دلچسپی صرف ایران تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ صفوی عہد میں اس پر بہت کام ہوا تھا جن میں سے شیخ بہاؤالدین عاملی' ملا محمد باقر یزدی قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مسلمہ ذہین و فطین عاملی تھے۔ وہ بیک وقت ریاضی دان' ماہر تعمیرات' صوفی' فقیہہ شاعر اور کیمیا دان تھے اور ان کی تحقیق کو پورے غور و فکر سے دنیا نے پڑھا اور پرکھا۔ یہ کوئی غیر متوقع بات نہیں ہے کہ سو تر نے مسلمان ریاضی دانوں کے بارے میں اپنے کلاسیکل کام کو اختتام تک پہنچایا اور ہندسی نظریات پر ''خلاصۃ الحساب'' نامی کتاب تحریر کی۔

طوسی اور کاشانی کے عہد میں اسلامی دنیا میں مستند علما کا ایک گروہ پیدا ہو چکا تھا۔ ان میں سے بہترین ابو العباس ابن بنا المراکشی تھا' جس نے ساتویں صدی ہجری میں ریاضی کی تمام شاخوں پر تقریباً ستر کتابیں تحریر کیں' جن میں سب سے زیادہ مشہور تلخیص ''عمل الحساب'' تھی جو اس مضمون پر مسلمانوں کی بہترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مغرب میں ابن حمزہ المغربی نے بھی دسویں صدی ہجری میں ترکی زبان میں ''تحفۃ الاعتماد'' نامی کتاب فلسفہ اعداد پر تحریر کی۔ اس نے اکثریتی عددی سلسلے سے لوگارتھم تک پہنچنے کے لیے ٹھوس بنیاد تیار کی۔ اس کے ہمعصر ایران میں ملّا باقر یزدی تھے۔ جہاں تک اسلامی دنیا کے وسط کا تعلق ہے اس میں دو نام قابلِ ذکر ہیں' جنہوں نے عددی سائنس پر کام کیا۔ ابو العباس ابن ہائم المصری جو آٹھویں صدی ہجری میں ہوئے۔ انہوں نے حساب اور الجبرا پر کتابیں لکھیں۔ ایک صدی بعد بدر الدین المریدنی نے ''تحفۃ الباب فی علم الحساب'' لکھی جس میں فلسفہ اعداد اور کسور کے بارے میں بحث شامل تھی۔

مسلمانوں نے اپنے طور پر اعداد کی نئی تعریف واضح کی جو اور کسی کے ظاہر کردہ مفہوم کو سامنے رکھ کر کی گئی تھی۔ اس کی مدد سے نسبت کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اس عمل میں اگر کسر کو نکال دیا جائے تو نسبت استدلالی ہو جاتی ہے اور اگر نہ نکالی جائے تو خلافِ منطق شمار ہوتی ہے۔ خیام جس نے اس معاملے پر خاصی بحث کی ہے' خلافِ منطق کسر کو بھی ایک عدد شمار کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ خلافِ عقل کسر کی تشریح بھی ایک عدد کی صورت میں کی جا سکتی ہے طوسی نے بھی یہی کہا ہے کہ ہر نسبت ایک عدد ہی ہے۔

مسلمانوں نے شماریات کی تکنیک کو مزید آگے بڑھایا۔ خاص طور پر ناصر الدین طوسی کے دائرے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اس نے خطِ مماس کے جدول میں ایک کروڑ میں سے ایک عدد کو درست قرار دیا۔

## جیومیٹری:

مسلمانوں نے جیومیٹری کے مطالعے کا آغاز اقلیدس وغیرہ کے فلسفوں سے کیا۔ یہی

وجہ ہے کہ عہدِ عباسی تک مسلمان اس میدان میں بہت آگے بڑھ چکے تھے۔ بغداد میں جیومیٹری پر سب سے زیادہ کام ہو رہا تھا موسیٰ یا بنو موسیٰ کے بیٹوں نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریر کیا وہ قابلِ تحسین ہے۔ ان کی کتاب ”معارف مصحۃ الاشکال“ علمِ ہندسہ کا گراں مایہ سرمایہ ہے۔ اس سارے تبصرے کا بعد میں لاطینی میں ترجمہ ہوا' جس کا فیونکی اور تھامس براڈورڈن پر بھی اثر پڑا تیسری صدی ہجری میں ثابت ابن قرۃ نے مربعے اور مکعب پر بھی کتابیں لکھیں اور معائنے کے طریقے کو استعمال کیا' جس سے کلیات کے متوقع نتائج کی ترقی پذیر صلاحیت کا پتا چلایا۔ ثابت نے مخروطی اشیا کے مطالعے کو آگے بڑھایا اور کسی مخروطی جسم کے قطعے کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ بھی دریافت کیا۔ چوتھی صدی ہجری میں ابو العباس نے ثابت بن قرۃ کے کام کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے ابو عبداللہ المحانی کی تخلیقات پر بھی تحقیق کی۔ اقلیدس پر بھی انہوں نے اہم تبصرہ کیا۔ انہوں نے سکندری ریاضی پر بھی کام کیا۔ علم ہندسہ پر اس ضمن میں دوسرا اہم کام ابو الوفا ابوزجانی نے کیا۔ انہوں نے جیومیٹری کے اطلاق پر بحث کی۔ ابو سہل الکوہی کے کام کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا' جس نے ارشمیدس وغیرہ کے پیدہ کردہ سوالات کا حل تلاش کیا۔ اس نے ایسی مساواتیں ایجاد کیں جو دوسرے درجے کی طاقت یا اس سے زائد درجے کی طاقت کے سوالات کو حل کرتی تھیں۔ ابن الہیثم نامی ماہر طبیعات نے آئسومیٹری پر کام کیا۔ پانچویں صدی ہجری میں جیومیٹری پر جو کام ہوا وہ بعد کی صدی میں ختم نہ ہوا بلکہ جاری رہا۔ ابو الجد نے البیرونی کے ساتھ ریاضی کے سوالات پر بحث کی اور دائرے کو نو برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ ان کے ہم عصر ابو السید السنجری نے مخروطی اشکال کا مطالعہ کیا اور زاویے کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے دائرے کو اس طرح قطع کرنے کا طریقہ بھی دریافت کیا۔ علم ہندسہ میں اس وقت ایک نیا باب کھل گیا جب خیام اور اس کے بعد طوسی نے متوازی خطوط کے نظریے سے متعلق اقلیدس کے پانچویں اصولِ موضوعہ کا تجزیہ کیا۔ اقلیدس کے علمِ ہندسہ کی ساری بنیاد اسی قیاس پر کھڑی تھی۔ خیام نے اپنے ایک رسالے میں یہ تجزیہ پیش کیا تھا کہ ایک چوکور ”ا-ب-ج-د“ پر غور کریں جس کے خطوط ”ا-ب اور ج-د“ برابر ہیں یہ دونوں خطوط ”ب ج“ پر عموداً واقع ہیں۔ لہٰذا یہ ایک مستطیل بن گئی جسے مغربی ریاضی کی تاریخ کے ساتھ بھی مربوط کیا جاتا ہے۔ اس چوکور میں زاویہ ا اور د برابر ہیں اور ۹۰ درجے سے کم' ۹۰ درجے سے زیادہ یا قائمہ زاویے بھی ہو سکتے ہیں۔ خیام نے ثابت کیا ہے کہ صرف تیسری بات صحیح ہو سکتی ہے اور اقلیدس کے پانچویں دعوے کو اس نے ثابت کیا ہے۔ خیام اور طوسی دونوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ اگر پہلی بات درست تسلیم کر لی جائے تو ایک تکون کے زاویوں کا مجموعہ ۱۸۰ درجے سے کم ہو گا۔ اس کے بعد کے مسائل ابھی تک مغربی ماہرین بھی حل نہیں کر سکے۔ تاہم خیام نے پانچویں دعوے کے خاص کردار کی اہمیت کو جان لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک اصول کی طرف اشارہ کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگرچہ یہ اس جیومیٹری سے منسلک تھی لیکن پھر بھی اپنی ایک جداگانہ حیثیت کی حامل تھی۔ اس کا مواد طبعی حقائق کی ٹھوس بنیادوں پر استوار تھا۔

جیومیٹری کی یہ شاخ سطح اور ٹھوس اجسام کے بارے میں تھی۔ انہوں نے بہت سے ان مسائل کو بھی حل کیا جنہیں یونان کے ان مفکرین نے ظاہر تو کر دیا تھا لیکن ان کو حل کرنے میں ناکام رہے تھے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں نے جیومیٹری کو الجبرا کے ساتھ بڑی خوب صورتی سے مربوط کیا اور الجبرا کے ناقابلِ سوالات کو جیومیٹری کی مدد سے حل کرنے کا طریقہ بھی دریافت کر لیا۔ یہ اس قسم کی سائنس کی طرف پہلی پیشقدمی تھی۔ مسلمانوں نے خاص طور پر علامتی جیومیٹری کی طرف توجہ دی جس کی مدد سے انہوں نے آرٹ اور فنِ تعمیرات میں جیومیٹری کے استعمال کی اہمیت کو واضح شکل دی۔ یہ کام انجام دیتے وقت انہوں نے جیومیٹری کی ماہیت کے متعلق خصوصیات کو ذہن میں رکھا۔ جیومیٹری کی یہ خصوصیات ”کائنات کے عظیم معمار“ کی عقل و دانش کے نمونوں کو ظاہر کرتی ہیں۔

### ہموار اور کروی علمِ مثلثات:

یونانی ریاضی دانوں خاص طور پر مارکس نے وتر اور علم مثلثات (ٹرگنومیٹری) پر تحقیق کی تھی لیکن سطح اور ٹھوس اجسام کے خطوط اور زاویوں اور قائمۃ الزاویہ مثلث کے ضلعوں اور زاویوں کا باہمی ربط مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔ یہ مسلمان ریاضی دان ہی تھے جنہوں نے علمِ مثلثات کے کلیے بالصراحت سب سے پہلے دریافت کیے۔ درحقیقت سائن (Sine) کا لفظ براہِ راست عربی لفظ ”جیب“ کا ترجمہ ہے۔ اس سے پہلے تیسری صدی ہجری میں البطنی نے علمِ نجوم میں علمِ مثلثات سے کام لیا تھا۔ البطنی ہی نے کروی مثلثات کو ترقی دی تھی۔ اسی زمانے کے ایک اور علمِ نجوم کے ماہر جبش الحاب نے پہلی مرتبہ مماس (Tan) کو استعمال کیا۔ اسے Since' Cos اور Cot کے محلِ استعمال کا بھی علم تھا۔ تاہم اس زمانے میں سب سے زیادہ ترقی اس علم کو ابو الوفا ابوزجانی نے دی۔ وہ بطلیموس سے متاثر نہ تھا۔ یہ ساری تحقیق مثلثات سے متعلق تھی۔ ابو الوفا ہی نے سب سے پہلے کروی مثلث کے لیے سائن تھیورم کی دلیل دی تھی۔ ”قطر الزل“ بھی انہی نے ایجاد کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ اس ایجاد کو کوپرنیکس سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کی اس تحقیق نے بہت سے دوسرے ریاضی دانوں میں تجسس کا مادہ پیدا کیا۔ ابونصر العراق' ابو محمود الخنجدی اور ابنِ یونس نے بھی اس میدان میں اپنا حصہ ادا کیا۔ لیکن البیرونی ہی وہ ماہر ریاضی دان تھا جس نے سب سے زیادہ کام کیا۔ اس نے اپنی تصنیف ”الکلید علم النجوم“ میں زیرِ بحث موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ وہ واحد ریاضی دان تھا جس نے کروی مثلثات کو الگ بنیادوں پر کھڑا کیا۔ ریاضی کی دوسری شاخوں کی طرح علمِ مثلثات پر بھی پانچویں صدی ہجری میں خاصہ کام ہوا لیکن یہ کام ادھورا تھا۔ اس لیے ناصر الدین طوسی نے اس پر مکمل طور پر نظرِ ثانی کی جس کی تحقیق کو تاریخ میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

بہرحال چاہے طوسی کا کام ہو یا البیرونی کا' یہ ایک امر مسلّمہ ہے کہ مثلثات کے علم کو مسلمان ریاضی دانوں ہی نے پروان چڑھایا اور اسے ایک علیحدہ سائنس کی صورت میں متعارف کرایا۔ تاہم یہ بات بڑی تحیر خیز ہے کہ کئی مسلمان ملکوں میں مثلثات کے کلیوں کے نام' جو کہ خالص عربی میں تھے۔ انہیں فرانسیسی یا انگریزی ہم معنی ناموں

میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور اسے اسلامی دنیا کے اداروں میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے یہ بھی جدید طبیعات کی طرح مغرب سے درآمد کی گئی ہو۔

## الجبرا:

مثلثات کی طرح الجبرا کی تعلیم و تحقیق کا سہرا بھی مسلمانوں ہی کے سر جاتا ہے جیسا کہ عربی کے لفظ ”الجبر“ سے اس کی اصل کا پتا جھلکتا ہے۔ اس ضمن میں اہلِ اسلام نے یونان، ہندوستان اور بابل کے ذرائع کو استعمال کیا۔ تیسری صدی ہجری کے دوسرے مسلمان سائنسدانوں نے بھی اس علم پر کام کیا اور وہ محمد ابن موسیٰ الخوارزمی کی تحقیق کو بھی مات کر گئے۔ انہوں نے ریاضی کی اس شاخ کو بڑی ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا تھا جو مابعد الطبیعاتی اصولوں سے قریب تھا اور اسلامی عقائد اس کا محور تھے۔

الجبرا پر مسلمانوں کا سب سے پہلا کام ”کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ“ نامی کتاب الخوارزمی نے لکھی تھی، جسے حقیقت میں اس علم کو الجبرے کا نام دیا گیا۔ جبر کے معنی ہیں کسی نامکمل چیز میں کچھ گھٹا بڑھا کر کسی نتیجے پر پہنچنا اور مقابلہ سے مراد ہے کہ مساوات کی دونوں سمتیں برابر ہو گئی ہیں۔ چیسٹر کے رابرٹ نے اس کتاب کا لاطینی میں ترجمہ کیا اور اس طرح مغرب میں الجبرا متعارف ہوا۔

چوتھی صدی ہجری میں الخوارزمی نے ذہانت و فطانت سے جس اعلیٰ کام کا آغاز کیا تھا، اسے پروان چڑھانے کے لیے بہت سے ریاضی دان سامنے آئے۔ ابو کمال الشجاع نے پانچ مساواتیں حل کیں۔ ابو عبد اللہ المحانی نے ارشمیدس کے ایک مسئلے کو حل کیا جسے اس نے اپنی تصنیف ”کرہ اور سلنڈر“ میں رقم کیا تھا کہ ایک دائرے کو خط سے اس طرح قطع کیا جائے کہ دونوں حصے مقررہ تناسب سے ہوں۔ اس نے اس سوال کو لا+۲ اج لا۲ کی مساوات سے حل کرنے کی کوشش کی آج بھی یہ مساوات اسی کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔

ابو جعفر الخازن نے اسی مساوات کو مخروط کے تقاطع سے حل کیا۔

چوتھی صدی ہجری کے ایک اور اہم ماہر الجبرا الخجندی نے ایک رسالے میں یہ ثابت کیا کہ ہم ا+۲ب ۳=ج ۳ کی مساوات کو کسی طرح بھی حل نہیں کرسکتے اگر یہ سارے عددوں کی صورت میں ہوں۔ ابو الجد نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ وہ پہلے ریاضی دان تھے جنہوں نے تیسرے درجے کی مساوات کو جیومیٹری کی مدد سے حل کیا۔ ان سے کچھ عرصہ قبل الخارجی نامی ریاضی دان نے الجبرا پر مسلمانوں کی تحقیق کے بارے میں اپنی ”کتاب الفخری“ میں وضاحت کر دی تھی۔ دو پکے نے اس کتاب کا ترجمہ کر کے مغرب میں اس کتاب کو متعارف کرایا۔ اس سے الخارجی کے کام اور تحقیق کے بارے میں مغرب والوں کو روشناس ہونے کا موقع ملا۔

صدیوں تک علمِ ریاضی نے ترقی کے جو مراحل طے کیے، عمر خیام کی شاعری میں وہ اپنے عروج تک پہنچے۔ عمر خیام ایک مشہور شاعر کے علاوہ ریاضی دان بھی تھا۔ فزجیرالڈ نے جب اس کی رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ کیا تو مغرب کو اس کا اور اسے مغرب کا شکر گزار ہونا چاہیے لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اسے تاریخ میں کبھی بھی ریاضی دان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا گیا۔ عمر خیام نے بڑے زوردار اور بار بط طریقے سے تیسرے درجے کی مساواتوں کو جیومیٹری کی مدد سے حل کیا۔ اس کا یہ کام اس قدر ٹھوس اور منظم بنیادوں پر کھڑا ہے کہ آج بھی اس کے کام کو ریاضی کا اصل مواد قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج بھی ہم الجبرا کے طلبا کو تعلیم دینے کے لیے اس کے کام کو مشعلِ راہ بنا سکتے ہیں۔

خیام کے بعد مسلمانوں نے اس علم سے بے توجہی برتی اور وہ آہستہ آہستہ اس سے دور ہٹتے گئے۔ گو تھوڑا بہت کام جاری بھی رہا لیکن الخوارزمی اور خیام جیسا ریاضی دان پیدا نہ ہوسکا۔ تاہم نویں صدی ہجری میں اندلس میں ابو الحسن البا سطی (جسے القلصدی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے) نے ایک کتاب ”کشف الاسرار عین علم الجبر“ لکھی۔ یہ ریاضی دان خاصہ مشہور ہوا۔ یہ اولین کام تھا جس سے مغرب والوں پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مسلمانوں ہی نے الجبرا کی علامات سب سے پہلے ایجاد کیں۔

## ریاضی، اسلامی آرٹ اور فنِ تعمیر:

اسلامی آرٹ اور فنِ تعمیر سے واقفیت رکھنے والوں پر یہ عیاں ہے کہ ان فنون میں ریاضی کا خاصہ اہم کردار ہے اور یہ کردار زندگی کے دوسرے شعبوں کی نسبت زیادہ جامع اور مرکزی ہے۔ نہ صرف موسیقی اور شاعری ہی میں ریاضی کے اصول اپنائے گئے بلکہ پلاسٹک آرٹس، قالینوں کے نقشہ جات اور مساجد کے زیب و زینت کے نمونوں میں بھی جیومیٹری اور اعداد کی سائنس وسیع پیمانے پر مستعمل ہے۔

ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے ریاضی میں سرے سے کوئی قابلِ ذکر کام کیا ہی نہیں۔ کیونکہ نہ تو انہوں نے پینٹنگ پر توجہ دی اور نہ ہی سنگ تراشی پر جیسا کہ مسیحی دنیا اور ہندوستان میں اس فن کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ اس چشم پوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام میں جیومیٹری کو اس طریق کار پر استعمال کیا گیا کہ مغرب کے لوگوں پر اس کی مقدس اصلیت آشکار ہی نہ ہوسکی۔

اگر کوئی زندگی کے ان روایتی سرچشموں کا مطالعہ کرتا ہے جن کا تعلق ریاضی کی واضح حقیقتوں سے اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ہے تو اس پر یہ بات آشکار ہوجاتی ہے کہ ہندسہ اور اشکال تین حقائق پر مبنی ہیں۔ مظاہر قدرت، ذہن کی کرشمہ سازیاں جسے نکوما کوس سائنٹیفک کا نام دیتا ہے اور بیرونی دنیا کی مادی اشیا کے مماثل مقدار کے عدد اور اشکال، جدید دنیا صرف دوسرے اور تیسرے حقائق کے بارے میں جانتی ہے جبکہ اسلام ان تینوں سے خوب آشنا ہے۔ اسلامی آرٹ اور فنِ تعمیر میں ریاضی کا استعمال مادی اشیا سے ذہنی اختراعات اور طبعی میلان ہی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک ایسا ذریعہ بھی ہے جس کی چھاپ مادی اشیا پر موجود ہے اور یہ ایک ایسی سیڑھی ہے، جس کے ذریعے مادی اشیا کے مطالعے سے ہم روحانی حقائق تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو سب سے زیادہ پختہ حقائق ہیں جن کے سامنے طبعی حقائق کی حیثیت تصورات سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے اسلام میں ریاضی کا تصور جدید ریاضی کی طرح صرف مادی اشیا تک ہی محدود نہیں ہے۔

# قوم تُبع کے بارے میں

## قوم تُبّع

سرزمین یمن جزیرۃ العرب میں واقع ہے اور اس کا شمار دنیا کی ایسی آباد اور بابرکت زمینوں میں ہوتا ہے، جو ماضی میں درخشندہ تمدن کی حامل تھی، اس سرزمین پر ایسے بادشاہ حکومت کیا کرتے تھے جن کا نام ""تُبّع"" (جس کی جمع ""تبابعہ"" ہے) تھا چونکہ لوگ ان کی ""اتباع"" کیا کرتے تھے، اس لئے ان کو ""تُبّع"" کہتے تھے یا پھر اس لئے کہ وہ کئی پشتوں تک یکے بعد دیگرے برسراقتدار آتے رہے۔

## قوم تبّع کون تھی؟

قرآن مجید میں صرف دو مقام پر ""تُبّع"" کا لفظ استعمال ہوا ہے، ایک تو سورہ دخان آیت 37 میں اور دوسرے سورہ ""ق"" کی 14ویں آیت میں جہاں پر ارشاد ہوتا ہے: "گھنے درختوں کی سرزمین والی قوم شعیب اور قوم تبع، ایک نے خدا کے رسولوں کو جھٹلایا تو خدا کی تہدید بھی ان کے بارے میں سچ ثابت ہوگئی"۔ "تبع" یمن کے بادشاہوں کا ایک عمومی لقب تھا، جس طرح ایران کے بادشاہوں کو کسری، ترک سلاطین کو خاقان، مصر کے بادشاہون کو فرعون اور روم کے شہنشاہوں کو قیصر کہا جاتا تھا۔ یمن کے بادشاہوں کو ""تبع"" یا تو اس لئے کہا جاتا تھا کہ یہ لوگوں کو اپنی پیروی کی دعوت دیا کرتے تھے، یا پھر اس کے لئے کہ وہ یکے بعد دیگرے براہ مملکت ہوا کرتے تھے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قران مجید نے یمن کے تمام بادشاہوں کی بات نہیں کی، بلکہ کسی خاص بادشاہ کا ذکر کیا ہے (جیسا کہ حضرت موسی علیہ السلام کے معاصر خاص فرعون کی بات کی ہے)۔ بعض روایات میں ایا ہے کہ اس کا نام ""اسعد ابو کرب"" تھا۔ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ وہ بذات خود حق طلب اور صاحب ایمان شخص تھا، انھوں نے قران مجید کی دونوں ایات سے استدلال کیا ہے، کیونکہ قران پاک کی مذکورہ دونوں ایات میں اس کی ذات کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ اس کی قوم کی مذمت کی گئی ہے۔ پیغمبر اسلام (ص) سے نقل کی جانے والی روایت بھی اسی بات کی شاہد ہے، کیونکہ آنحضرت (ص) فرماتے ہیں: ""تبع"" کو برا مت کہو کیونکہ وہ ایمان لا چکا تھا۔""

## تُبّع مدینہ کے نزدیک

ایک اور روایت میں ہے کہ جب ""تبع"" اپنے کشور کشائی کے ایک سفر میں مدینہ کے قریب پہنچا تو وہاں کے ساکن یہودی علماء کو پیغام بھیجا کہ اس سرزمین کو ویران کرنا چاہتا ہوں تاکہ کوئی بھی یہودی اس جگہ نہ رہنے پائے، اور عرب قانون حکم فرما ہو۔

یہودیوں کا سب سے بڑا عالم ""شامول"" تھا، اس نے کہا: یہ وہ شہر ہے جو حضرت اسماعیل کی نسل سے پیدا ہونے والے ایک پیغمبر کی ہجرت گاہ بنے گا، پھر اس نے پیغمبر اسلام (ص) کی چند صفات گنوائیں، تبع جس کے ذہن میں گویا اس بارے میں کچھ معلومات تھیں اس نے کہا: ""تو پھر اس شہر کو ویران نہیں کروں گا""۔

حتی کہ ایک اور روایت میں اسی داستان کے ذیل میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ اس نے ""اوس"" اور ""خزرج"" کے بعض قبائل کو جو اس کے ہمراہ تھے حکم دیا کہ وہ اسی شہر میں رہ جائیں اور جب پیغمبر موعود ظہور کریں تو وہ ان کی امداد کریں اور اپنی اولاد کو بھی وہ اسی بات کی وصیت کرتا رہا، حتی کہ اس نے ایک خط بھی تحریر کرکے اس کے سپرد کر دیا، جس میں پیغمبر اسلام (ص) پر ایمان لانے کا اظہار کیا گیا تھا۔

## تُبّع شہر مکہ میں

صاحب ""اعلام القران"" رقمطراز ہیں:

""تبع"" یمن کے عالمگیر بادشاہوں میں سے ایک تھا کہ جس نے ہندوستان تک فوج کشی کی اور اس علاقے کی تمام حکومتوں کو اپنی زیر نگرانی کرلیا، اپنی فوج کشی کی ایک مہم کے دوران میں وہ مکہ معظمہ پہنچا اور اس نے خانہ کعبہ کے منہدم کرنے کا ارادہ کرلیا، لیکن وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا کہ طبیب اس کے معالجے سے عاجز اگئے۔ اس کے ہمرکابوں میں کچھ اہل علم بھی موجود تھے جس کا سرپرست ""شامول"" نامی ایک حکیم تھا، اس نے کہا: اپ کی بیماری کا اصل سبب خانہ کعبہ کے بارے میں بُری نیت ہے۔

""تبع"" اپنے مقصد سے باز اگیا اور نذر مانی کہ وہ خانہ کعبہ کا احترام کرے گا اور صحت یاب ہونے کے بعد خانہ کعبہ پر یمانی چادر کا غلاف چڑھائے گا۔

دوسری تاریخوں میں بھی خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی داستان منقول ہے جو تو اتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے یہ فوج کشی اور کعبہ پر غلاف چڑھانے کا مسئلہ 5 عیسوی میں وقوع پذیر ہوا، اب بھی شہر مکہ میں ایک جگہ موجود ہے جس کا نام ""دار التبابعہ"" ہے۔ بہر حال یمن کے بادشاہوں (تبابعہ یمن) کی داستان کا ایک بہت بڑا حصہ تاریخی لحاظ سے ابہام سے خالی نہیں ہے، کیونکہ ان کی تعداد اور ان کی حکومت کے عرصہ کے بارے میں زیادہ معلومات مہیا نہیں ہیں، اس بارے میں بعض متضاد روایتیں بھی ملتی ہیں، جو کچھ اسلامی روایات میں ہے وہ تفسیری مواد ہو یا تاریخی اور حدیثی، صرف بادشاہ کے بارے میں ہے، جس کا قران میں دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

یہاں مشرکین کا انکار قیامت اور اس کی دلیل بیان فرما کر اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتا ہے ان کا خیال تھا کہ قیامت آنی نہیں مرنے کے بعد جینا نہیں۔حشر اور نشر سب غلط ہے دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا مر گئے وہ کیوں دوبارہ جی کر نہیں آئے؟ خیال کیجئے یہ کس قدر ردی اور بے ہودہ دلیل ہے دوبارہ اٹھ کھڑا ہونا مرنے کے بعد جینا قیامت کو ہوگا نہ کہ دنیا میں پھر لوٹ کر آئیں گے۔اس دن یہ ظالم جہنم کا ایندھن بنیں گے اس وقت یہ امت اگلی امتوں پر گواہی دے گی اور ان پر ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ انہیں ڈرا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جو عذاب اسی جرم پر اگلی قوموں پر آئے وہ تم پر بھی آ جائیں اور ان کی طرح بے نام و نشان کر دیئے جاؤ۔ان کے واقعات سورۃ سبا میں گذر چکے ہیں وہ لوگ بھی قحطان کے عرب تھے جیسے یہ عدنان کے عرب ہیں حمیر جو سبا کے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے جیسے فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے۔ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور زمین پر تار ہا سمرقند پہنچ گیا ہر جگہ کے بادشاہوں کو شکست دیتا رہا اور اپنا بہت بڑا ملک کر لیا زبردست لشکر اور بے شمار رعایا اس کے ماتحت تھی اس نے حیرہ نامی بستی بسائی یہ اپنے زمانے میں مدینے میں بھی آیا تھا اور یہاں کے باشندوں سے بھی لڑا لیکن اسے لوگوں نے اس سے روکا خود اہل مدینہ کا بھی اس سے یہ سلوک رہا کہ دن کو تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمان داری کرتے تھے آخر اس کو بھی لحاظ آ گیا اور لڑائی بند کر دی اس کے ساتھ یہاں کے دو یہودی عالم ہو گئے تھے جو موسیٰ کے سچے دین کے عامل بھی تھے وہ اسے ہر وقت بھلائی برائی سمجھاتے رہتے تھے انہوں نے کہا کہ آپ مدینے کو تاخت و تاراج نہیں کر سکتے کیونکہ یہ آخر زمانے کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے۔پس یہاں سے لوٹ گیا اور ان دونوں عالموں کو اپنے ساتھ لیتا چلا جب یہ مکے پہنچا تو اس نے بیت اللہ کو گرانا چاہا لیکن ان دونوں عالموں نے اسے روکا اور اس پاک گھر کی عظمت و حرمت بیان کی اور کہا کہ اس کے بانی خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔اور اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پھر اس کی اصلی عظمت آشکارا ہو جائے گی۔چنانچہ یہ اپنے ارادے سے باز آیا بلکہ بیت اللہ کی بڑی تعظیم و تکریم کی طواف کیا غلاف چڑھایا اور یہاں سے یمن واپس چلا گیا۔خود موسیٰ علیہ السلام کے دین میں داخل ہوا اور تمام یمن میں یہی دین پھیلایا اس وقت تک مسیح علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوا تھا اور اس زمانے والوں کے لیے یہی سچا دین تھا۔اس طرح کے واقعات بہت تفصیل سے سیرۃ ابن اسحاق رحمہ اللہ میں موجود ہیں۔اور حافظ ابن عساکر بھی اپنی کتاب میں بہت تفصیل کے ساتھ لائے ہیں اس میں ہے کہ اس کا پائے تخت دمشق میں تھا اس کے لشکروں کی صفیں دمشق سے لے کر یمن تک پہنچتی تھیں۔

ایک حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔میں نہیں جان سکا کہ حد لگنے سے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تبع ملعون تھا یا نہیں؟اور نہ مجھے یہ خبر ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا بادشاہ اور روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا عزیر پیغمبر تھے یا نہیں؟[سنن ابو داود:4674،قال الشيخ الألباني:صحیح]

[ابن ابی حاتم] دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کی روایت صرف عبدالرزاق سے ہی ہے اور سند سے مروی ہے کہ عزیر کا نبی ہونا مجھے معلوم نہیں نہ میں یہ جانتا ہوں کہ تبع پر لعنت کروں یا نہیں؟[تاریخ دمشق 3/501] اسے وارد کرنے کے بعد حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے وہ روایتیں درج کی ہیں جن میں تبع کو گالی دینے اور لعنت کرنے سے ممانعت آئی ہے جیسے کہ ہم بھی وارد کریں گے ان شاء اللہ۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہو گئے یعنی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے دین میں داخل ہوئے اور اس زمانے کے علماء کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا۔بعثت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا یہ واقعہ ہے جرہم کے زمانے میں بیت اللہ کا حج بھی کیا غلاف بھی چڑھایا اور بڑی تعظیم و تکریم کی چھ ہزار اونٹ نام اللہ قربان کئے اور بھی بہت بڑا طویل واقعہ ہے جو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ،سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔اور اصل قصہ کا دارومدار سیدنا کعب احبار اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما پر ہے۔وہب بن منبہ نے بھی اس قصہ کو وارد کیا ہے۔حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس تبع کے قصے کے ساتھ دوسرے تبع کے قصے کو بھی ملا دیا ہے جو ان کے بہت بعد تھا اس کی قوم تو اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی پھر ان کے انتقال کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ گئی۔اور دوبارہ آگ اور بتوں کی پرستش شروع کر دی۔جیسے کہ سورۃ سباء میں مذکور ہے اسی کی تفسیر میں ہم نے بھی وہاں اس کی پوری تفصیل لکھ دی ہے فالحمد للہ۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس تبع نے کعبے پر غلاف چڑھایا تھا آپ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ اس تبع کو برا نہ کہو یہ درمیان کا تبع ہے اس کا نام اسعد ابو کرب بن ملکیرب یمانی ہے۔اس کی سلطنت تین سو چھبیس سال تک رہی اس سے زیادہ لمبی مدت ان بادشاہوں میں سے کسی نے نہیں پائی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً سات سو سال پہلے اس کا انتقال ہوا ہے مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان دونوں موسوی عالموں نے جو مدینے کے تھے انہوں نے جب تبع بادشاہ کو یقین دلایا کہ یہ شہر نبی آخر الزمان احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت گاہ ہے تو اس نے ایک قصیدہ کہا تھا اور اہل مدینہ کو بطور امانت دے گیا تھا جو ان کے پاس ہی رہا اور بطور میراث ایک دوسرے کے ہاتھ لگتا رہا اور اس کی روایت سند کے ساتھ برابر چلی آتی رہی یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت اس کے حافظ ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ تھے اور اتفاق سے بلکہ بہ حکم اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول جلال بھی یہیں ہوا تھا۔اس قصیدے کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں

”شھدت علی احمد انہ *** رسول من اللہ باری النسیم

فلو مد عمری الی عمرہ*** لکنت وزیر الہ وابن عم

وجاھدت بالسیف اعداءہ*** وفرجت عن صدرہ کل غم"

یعنی میری تہ دل سے گواہی ہے کہ احمد مجتبیٰ [صلی اللہ علیہ وسلم] اس اللہ کے سچے رسول ہیں جو تمام جانداروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میں اس کے زمانے تک زندہ رہا تو قسم اللہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاون بن کر رہوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور کسی کھٹکے اور غم کو آپ کے پاس تک پھٹکنے نہ دوں گا۔

ابن ابی الدنیا میں ہے کہ دور اسلام میں صفا شہر میں اتفاق سے قبر کھد گئی تو دیکھا گیا کہ دو عورتیں مدفون ہیں جن کے جسم بالکل سالم ہیں اور سرہانے پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس میں سونے کے حروف سے یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ قبر حی اور لمیس کی ہے اور ایک روایت میں ان کے نام جبی اور تماخر ہیں یہ دونوں تبع کی بہنیں ہیں یہ دونوں مرتے وقت تک اس بات کی شہادت دیتی رہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ دونوں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی تھیں۔ ان سے پہلے کے تمام نیک صالح لوگ بھی اسی شہادت کے ادا کرتے ہوئے انتقال فرماتے رہے ہیں۔ سورۃ سباء میں ہم نے اس واقعہ کے متعلق سبا کے اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں ضرت کعب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ تبع کی تعریف قرآن سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمت کی ان کی نہیں کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ تبع کو برا نہ کہو وہ صالح شخص تھا ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تبع کو گالی نہ دو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ [تفسیر ابن جریر الطبری:11/241:ضعیف]

طبرانی اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے عبد الرزاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے معلوم نہیں تبع نبی تھا یا نہ تھا؟ اور روایت میں جو اس سے پہلے گذر چکی کہ میں نہیں جانتا تبع ملعون تھا یا نہیں؟ "وَاللّٰہُ اَعْلَمُ" ۔ یہی روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے عطاء بن ابو رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں تبع کو گالی نہ دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برا کہنا منع فرمایا ہے۔ "واللہ تعالیٰ اعلم" ۔

(سورۃ الفاتحہ آیت 1 تفسیر ابن کثیر)

❁❁❁

## بنام باری تعالیٰ

**شاہینہ خان (پاکستان)**

منا لوں تجھے کاش اس زندگی میں
رجاء ہے گناہوں کی موجودگی میں
میرے رب باری تو مجھ میں سما جا
بس اتنی طلب ہے مجھے زندگی میں
دکھے تو ہی تو، جو میں آنکھوں کو میچوں
سعادت کے لمحے ملیں بے خودی میں
تیرے قرب، تیری اطاعت میں جی لوں
مروں تو شفاعت کی تابندگی میں
میں کچھ بھی نہیں، خاک بس خاک ہوں میں
ملی جو ضیاءِ تیری رخشندگی میں
ولی ہوں ، نہ صوفی ، نہ اوتار کوئی
من و تو ہوئے ضم، فقط بے خودی میں
مقام وجد ، روح لبیک کہہ دے
سجود فناء ہوں، تیری بندگی میں
یہ جینا، یہ مرنا ، وہیں لوٹ آنا
خدا کی قسم تیری وارفتگی میں
ملال گناہ ہی ندائے دعا ہے
تسلسل ہے اشکوں کا شرمندگی میں

❁❁❁

## غزل

**بشارت سکھی**

برستی یہ برکھا گھٹا مفت ہے
بندوں پہ رب کی عطا مفت ہے
جو دامان تھامے رہے صبر کا
تو مولا کی ملتی رضا مفت ہے
حفاظت جو کرتی ہے اولاد کی
وہ ملتی ہے ماں کی دعا مفت ہے
کہیں ہاتھ کے چھالے روتے ہوئے
محن بے قدر ہے ریا مفت ہے
گراں جنس اخلاص و مہر و وفا
ہوئی خندہ زن ہے جفا مفت ہے
عیوب آئیں اوروں کے جس میں نظر
وہی ملتا تو آئینہ مفت ہے
جسے سن کے کلیاں چٹکنے لگیں
وہ شیریں لحن وہ صبا مفت ہے
جو کرتی ہے گھائل دل عاشقاں
وہ تیر و نظر وہ ادا مفت ہے
چلن اس جہاں کا سمجھ لے سکھی
ہے ملتی جہاں میں دغا مفت ہے

❁❁❁

## درودوں کے تحفے پیارے نبیؐ پر

**امۃ الباری ناصر**

محمدؐ اور آلِ محمدؐ پہ برسے سدا میرے مولا کی رحمت کی بارش
جو برسی تھی حضرت ابوالانبیاءؑ پر برستی رہے اُس کی برکت کی بارش
اے ایمان والو! سدا دل سے بھیجو درودوں کے تحفے پیارے نبیؐ پر
خدا اور فرشتے بھی کرتے ہیں ہر دم درود و سلام و محبت کی بارش
نہیں تھا حسیں کوئی بھی آپؐ جیسا نہ ہے اور نہ ہوگا کبھی آپؐ جیسا
حسیں نامِ نامی لبوں پر جو آیا ہوئی میری آنکھوں سے مدحت کی بارش
متانت، شرافت، فراست، موّدت، سکینت، وجاہت، مروت سراپا
ہر اک خُلق کی آخری حد پہ فائز مسلسل ہوئی حسنِ سیرت کی بارش
بُلایا خدا پاک نے آپؐ کو تو ہمارے لئے ایک تصویر چھوڑی
کلامِ الٰہی کی صورت میں نازل ہوئی آپؐ کے رنگ و صورت کی بارش
ہوں ماں باپ میرے نثار آپ پر ذرہ ذرہ مرا ہو فدا آپ پر ہی
میں کہنے لگی نعتِ خیرالبشرؐ تو ہوئی میرے دل پر سکینت کی بارش
خدایا نصیبوں میں میرے بھی لکھ دے زیارت مقدس مقامات کی تو
وہ منظر فضائیں میں آنکھوں سے چوموں جہاں پر ہوئی تھی ہدایت کی بارش

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارک وسلم اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

# حجاب عورت کے تحفظ کا وعدہ

تحریر: شہلاارسلان

ہمارا دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے سب اصول مدلل انداز میں بتادیئے گئے ہیں۔ یوں تو ہر طرح کے موضوع پر مکمل علم عطا فرمادیا گیا اس کے باوجود دورِ حاضر میں بے حیائی اور عُریانی عام ہو رہی ہے، آخر کیوں یہ سلسلہ رکنے میں نہیں آرہا؟

اس کی سب سے بڑی وجہ عورتوں کا بے پردہ ہونا ہے، جب عورت ہر کسی پر حسن کے جلوے بکھیرے گی تو بے حیائی ہی جنم لے گی۔ پتہ نہیں کیوں آج کی عورت پردے سے اتنا دور بھاگتی ہے حالانکہ اِس میں تو عورت کا عزت و وقار قائم رہتا ہے۔ ایک طرف تو دین اسلام کی تعلیمات پر عمل درآمد ہو رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر کوئی پردہ دار عورت کی قدر کرتا ہے اور عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے یوں عورت کے تحفظ کا وعدہ پورا ہوجاتا ہے۔ دوسری جانب جو عورت بے پردہ ہو کر گھر سے نکلتی ہے لوگ اس کی بالکل بھی قدر نہیں کرتے۔ بلکہ شک وشبہ میں کے سبب گھر گھر لڑائی کا ماحول بنتا ہے اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے، ایسی عورت کو گھر سے باہر بھی کوئی عزت نہیں ملتی۔ لوگ ایسی عورت کو تماشا بنادیتے ہیں، ہر کوئی غلیظ نظروں سے دیکھتا ہے، حتیٰ کہ حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ تو پھر کیوں نہ ہم لوگ حجاب کو اپنا کر دین اور دنیا دونوں محفوظ کریں۔ اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پردے کے احکامات واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن کریم سے بھی بے حد رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر پردے کا حکم بھی نازل فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ تعلیمات بھی دی گئیں کہ آخر پردہ کیوں کیا جائے، اس کی ضرورت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ”آپ مومن عورتوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں“ (سورۃ النور:31) پھر سورۃ الاحزاب کی ایک آیت 53 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اپنی اوڑھنیوں کو اپنی دنیا بنالیں“

پھر اس کے علاوہ وہ مرد جن سے زینت چھپانے کی پابندی نہیں اُن کے بارے میں سورہ النور آیت 31 میں ناموں کی لسٹ سے بھی اللہ نے واضع تعلیمات دے دی ہیں۔ یعنی ان سب تعلیمات کے جاننے کے بعد معلوم ہوا کہ پردے کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اسلام نے کس طرح کھول کھول کر تمام تعلیمات واضح فرمائیں تاکہ اُمت مسلمہ کی خواتین کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں لیکن افسوس کہ ہم لوگ عمل بہت کم کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی نافرمانی کی جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی انسان کو ذلت ورسوائی کی پستیوں میں گرادیتے ہیں۔ جہاں صرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے اور کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی سمجھ عطا ہوتی ہے۔

آج کا معاشرہ بہت سی برائیوں سے بھرا ہوا ہے جن میں سے سب سے زیادہ اہم ترین مسئلہ عورت کا بے پردہ ہونا ہے۔ جو اصل فساد کی جڑ ہے۔ آج جو جنسی زیادتی کے واقعات کی بہتات ہوچکی ہے، اس کی اہم ترین وجوہات میں سے ایک بے پردگی ہے۔ یہاں معاشرے کے دہرے اور منافق چہرے کی طرف بھی نظر ڈالتے چلیں کہ کوئی لڑکی اگر اپنے رب کا حکم مان کر پردہ کرلے تو کسی طور اس کا اس حکم پر عمل کرنا قبول نہیں کرتے، معاشرے میں اسکا جینا محال کردیتے ہیں، اللہ کے حکم پر عمل کرنے پر اسے طنز و مزاح کا نشانہ بناتے ہیں اور اس حد تک کرتے ہیں کہ وہ گھٹنے ٹیک دیتی ہے (الاماشاءاللہ)۔۔۔

جبکہ جو لڑکی یہ دین کا پردے کا حکم نہ مانے، کھلے عام اللہ کی حدود سے نکلے، اسے ہم ترقی کے مواقع فراہم کرتے ہیں، اسے آئیڈیل سمجھا جاتا ہے۔ اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ مگر یاد رکھیں جب ہم اللہ کی حدود کھلے عام توڑتے ہیں تو پھر چاہتے ہیں ہم سلامت رہیں..؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے، پھر کیوں نہ زلزلے آئیں، کیوں نہ کورونا، برڈ فلو اور ڈینگی جیسی وبائیں پھیلیں۔ اگر ہم قدرت کے اصولوں کو چیلنج کریں گے تو پھر قانون قدرت حرکت میں ضرور آئے گا۔ انسان سمجھ لے اس سے قبل کہ قدرتی آفات اسے مکمل تباہی سے دوچار کردیں۔

❁❁❁

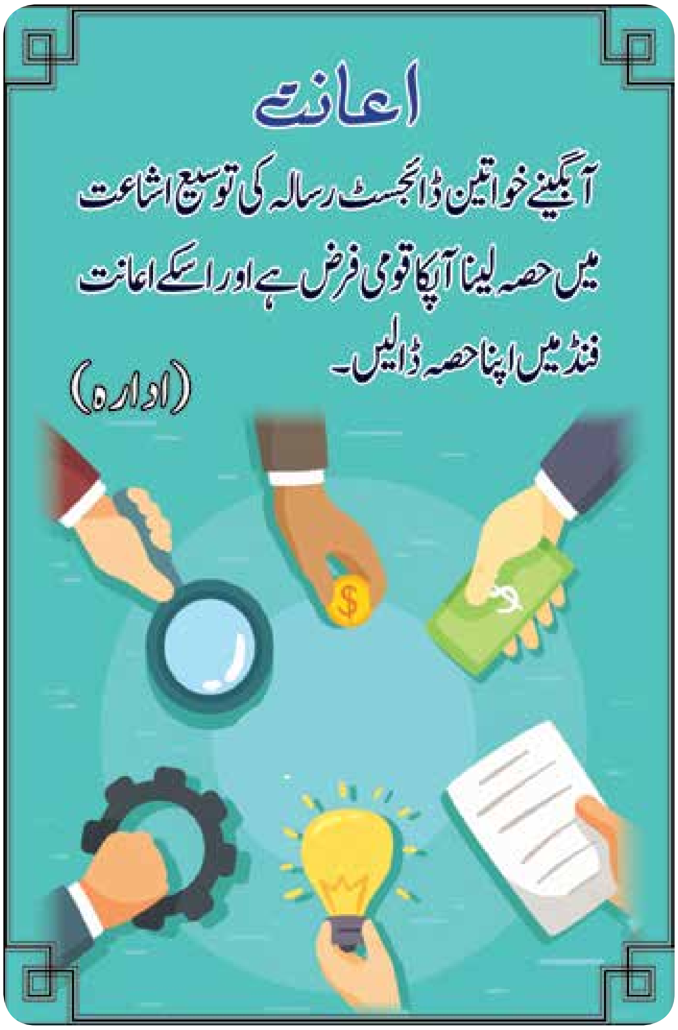

# سمندر

تحریر: بنت الہادی

سمندر مجھ سے ملنے کو بے قرار ہے مگر ساحل کنارے بچھی ریت میرے استقبال کو تیار نہ تھی۔ پاؤں رکھے ہی تھے کہ دھنسنے لگے۔

ریت پہ چلنا اتنا مشکل کیوں ہے؟ بہت دِقت سے میں نے اگلا قدم اٹھایا...

تکبر ریت کو پسند نہیں... تمہیں جھک کر چلنا ہو گا اکڑ کر چلنے والوں کو وہ اپنے اندر کھینچ لیتی ہے...

سمندر کی ایک موج نے ابھرتے ہوئے جواب دیا اور پھر پلٹ گئی...

میں نے سنبھلتے ہوئے دور تک پھیلے سمندر کے نیلے پانی کی طرف دیکھا جو ابھی بھی مجھ سے دور، پر میرا منتظر تھا... کچھ قدم اور بڑھائے کہ ایک بپھری ہوئی لہر میرے پیروں سے آ لپٹی...

”تم ساحل کنارے آنے کے لیے میری منتظر رہا کرو گی اور میں تمہارے قدموں کو تھامے تمہیں ہر انتظار سے بچا لوں گی“

سمندر کی یہی ادا مجھے اس سے اور قریب کر دیتی ہے، تاحدِّ نگاہ... دور تک پھیلا ہوا... لہروں پر حکمرانی کرنے والا سمندر اب میرے سامنے تھا... شہر کی آبادی سے دور... اس کونے میں مجھے یہی چیزیں کھینچ لاتی ہیں، خاموشی، سکوت اور من موجی لہریں، دیر تک پاؤں پانی میں دیے بیٹھنا اور بے تاثر چہرے کے ساتھ سمندر کی باتیں سننا۔ بظاہر خاموش دِکھنے والی ہر موج ایک لمحہ سکوت نہیں رکھتی... مسلسل بولے ہی چلی جاتی ہے...

سمندر کی لہروں کا یونہی بولے چلے جانا اور پھر یونہی لوٹ آنا۔ اور میرا خاموشی سے انہیں سنتے رہنا۔ نہ جانتے ہوئے سب کچھ جان لینے کا انوکھا تجربہ رکھتا ہے، اور میں نے بہت جلد یہ جان لیا کہ سمندر اور میں، ہم دونوں ہی انتظار کے قیدی تھے۔

میں سمندر کو اپنا حال بتاتی اور جب سمندر ساری باتیں اپنے اندر سمیٹ لیتا تو واپس لوٹ آتی، اور سمندر اپنا سارا شور میرے تخیل کے سپرد کر دیتا۔

کہ جس میں انتظار کی لہریں خشکی کے ہر کنارے سے سر پٹختی ہوئی لوٹتی اور بیان کرتیں کہ تلاش کا سفر کتنا کٹھن ہے۔ سمندر کے پاس ہمیشہ ہی میرے لیے بہت سارے سوالات ہوتے ہیں اور کنارے پہ بکھری سیپیاں جواب تلاش کرنے میں میری مدد کرتی ہیں۔ اور اگر میں جواب نہ دے پاؤں تو یہی ریت کے ذرے مجھ سے میری جہالت اور کمزوری کا اعتراف کروا لیتے ہیں، سمندر کے عین وسط میں اٹھتی موجیں ہر بار تخلیق کا اک نیا سوال لیے کنارے تک آتی ہیں اور مجھے جواب کی تلاش میں سرگرداں چھوڑ کر خاموشی سے پلٹ جاتی ہیں، سمندر کی حکمت اور ریت کی دانائی کے بیچ ٹھہرا ہوا مصلحت کا ساحل مجھ سے ہر سوال پر زندگی سے بھرپور ایک شوخ جواب کا مطالبہ کرتا ہے۔

چو سیلیم و چو جوییم ہمہ سوئِ تو پوییم

کہ منزل گہِ ہر سیل بہ دریاست خدایا

(مولانا رومی)

ہم سیلاب کی مانند ہیں اور نہر کی مانند ہیں، اور سب تمہاری جانب رواں دواں ہیں... کیونکہ، اے خدا، ہر سیلاب کی منزل گاہ سمندر میں ہے!

❁❁❁

## کوّے میں تین صفتیں عجیب ہیں

کوّے میں تین صفتیں عجیب ہیں:

1: کوّے کو کسی نے جماع کرتے کم دیکھا ہے۔

2: ایک ٹکڑا بھی کھانے کو مل جائے۔ اُڑ کر اوروں کو اطلاع ضرور کرے گا۔ کہ یہاں کچھ ملنا ہے۔

3: کسی کوّے کو صدمہ پہنچے سب وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے شور و غل کو ہماری زبان پنجابی میں ”کاواں رَولی“ کہتے ہیں۔ ہم نے ایک بڑے شکاری سے پوچھا۔ کبھی کسی کوّے کی لاش تم نے جنگل میں دیکھی ہے۔ تو اس نے کہا۔ نہیں۔ اس سے تین باتیں نکلیں۔ 1: شرم وحیاء بھی کوئی چیز ہے۔ 2: نیک برتاؤ کرنا چاہیے اور ہمدردی۔ 3: مردے کی لاش کو دبانے کی فکر۔ یہ قصّہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ابراہیم بھی ایک آدم تھا (اُسے ابوالانبیاء کہتے ہیں) اس کے دو بیٹے تھے اسحٰق اور اسمٰعیل۔

مدینہ کے یہود جو بنو اسحاق تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسمٰعیل کی اولاد کو قتل کرنا چاہا۔ سو انہیں بتایا گیا کہ دیکھو اس سے پہلے ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو قتل کر کے کیا لیا۔ سو اس کے کہ خاسر و نادم ہوا۔ اور انہیں سمجھایا کہ صرف اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو پہلے سے یہ حکم دے رکھا ہے کہ جو ایسے عظیم الشان نفس کو قتل کرے گا وہ گویا سارے جہان کے قتل کا مرتکب ہو گا۔

(حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 98)

❁❁❁

# انوکھا جوڑا

تحریر: قرۃ العین فاروق حیدر آباد

ایک نیا شادی شدہ جوڑا نئے فلیٹ میں رہائش پذیر ہوا دونوں اتفاق سے بڑے آرٹسٹک مزاج کے تھے آرٹ کے اوپر گھنٹوں بحث مباحثہ کرتے رہتے میاں کو جس آرٹسٹ کا کام پسند آتا تو بیوی کو اس میں سو خرابیاں نظر آتیں یوں ہی بحث کرتے کرتے ان کے دن گذر رہے تھے، نئے فلیٹ میں منتقل ہوئے انہیں ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا تھا کہ بیوی کو دیواروں کے رنگ پسند نہ آرہے تھے وہ چاہ رہی تھی کہ دیواروں کے رنگ تھوڑے شوق سے ہوں اور میاں کو دیواروں کے رنگ ایسے ہی اچھے لگ رہے تھے ہلکے ہلکے سے، پھر دونوں کئی دنوں تک اس بات پر بحث کرتے رہے کہ آیا رنگ بدلیں یا ایسے ہی رہنے دیں خیر طے یہ پایا کہ فلیٹ کی آدھی دیواریں بیوی کی پسند کی ہوں اور باقی دیواروں پر میاں کے پسند کے رنگ رہنے دیئے جائیں۔

دوسرے دن بیوی بازار سے تین چار گہرے تیز رنگ کے پینٹ کے ڈبے لائی، اب ڈبے تو آ گئے مگر اب مسئلہ یہ ہوا کہ کونسی دیوار پر میاں کی پسند کے رنگ رہنے دیئے جائیں اور کس دیوار پر بیوی کے پسند کے رنگ ہوں، پھر ایک نئی بحث چھڑ گئی بیوی چاہ رہی تھی کہ بیڈ روم، کچن اور داخلی دروازے پر اس کی پسند کے رنگ ہوں جبکہ میاں اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ ساری خاص خاص جگہ پر تو بیوی اپنی پسند کے رنگ کرنا چاہ رہی ہے، پھر دونوں نے دو دو دیواریں آپس میں بانٹ لیں چار میں سے دو دیواریں بیوی کی اس پر جو مرضی رنگ کرلے اور باقی دو میاں کی جو ویسی ہی رہیں گی اب وہ کونسی دیواریں ہوں گی جو بیوی کی ہوں اور کونسی میاں کی دو دیواریں ہوں اب اس پر بھی نئی بحث چھڑ گئی کیونکہ بیوی چاہ رہی تھی کہ بیڈ روم میں بیڈ کے پیچھے اور بیڈ کے سامنے کی دیواریں اس کی پسند کے رنگ کی ہوں تاکہ جب وہ سو کر اٹھے تو اس کی نظر اس کی پسند کی دیواروں پر پڑے جبکہ میاں اس بات پر راضی نہ تھے پھر کچھ دن کی بحث کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں چاروں دیواروں پر اپنی اپنی پسند کے رنگ کریں گے کیسے تو وہ ایسے کہ جہاں تک بیوی کا ہاتھ جائے گا اتنی جگہ بیوی کی ہوگی اور باقی جو جگہ بچے گی وہ میاں کے پسند کے رنگ رہنے دیئے جائیں گے، اب بیوی نے رنگ کرنے کے لیے دیوار پر نشان لگایا تو میاں کو اندازہ ہوا کہ ان کی بیوی کا قد تو آسمان کو چھوتا ہوا ہے اور فلیٹ کی چھتیں تو چھوٹی اور نیچیں ہیں اس طرح تو آدھے سے زیادہ بیوی کی پسند کا رنگ ہو جائے گا میاں کی پسند تو ذرا سی رہ جائے گی اب اس بات پر نئی بحث شروع ہوتی کہ اسی دن فلیٹ کو خالی کروانے کا نوٹس آ گیا کہ فلیٹ غیر قانونی جگہ قائم ہے، اس بات پر میاں کو تو بہت افسوس ہوا مگر بیوی کو بہت خوشی ہوئی کہ شکر ہے اس نے اپنا آرٹ اس فلیٹ میں نہیں نکالا تھا اور نہ جب یہ فلیٹ گرایا جاتا تو اس کا آرٹ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا اور یہیں کہیں لوگوں کے پاؤں میں روندا جاتا۔

میاں نے بیوی کو اداس دیکھ کر سمجھایا کہ کوئی بات نہیں یہ فلیٹ نہ سہی کوئی دوسرا فلیٹ سہی وہاں پر اپنا آرٹ نکال لینا۔ ❁❁❁

## غزل

منصورہ فضل منؔ

کچھ رہا نہ درمیاں تو دکھ ہوا
مٹ گیا ہر اک نشاں تو دکھ ہوا
ساتھ چلنے کا تو تھا وعدہ مگر
رک گیا وہ کارواں تو دکھ ہوا
خونِ دل سے میں نے سینچا تھا جسے
جل گیا وہ گلستاں تو دکھ ہوا
دفن دل میں ہو گییں سب خواہشیں
مل سکا نہ رازداں تو دکھ ہوا
ایک عرصہ دل رہا تھا منجمد
جب ہوا آزرفشاں تو دکھ ہوا
خود کو ہم سمجھے تھے آشفتہ بہت
جب ملے آشفتگاں تو دکھ ہوا
ہم ترے در کے سوالی تھے مگر
چھن گیا یہ آستاں تو دکھ ہوا
ایک مجھ پہ وہ ہی تھا سایہ فگن
نہ رہا جب سائباں تو دکھ ہوا
تیرے ہی کرموں کے تھے امیدوار
تو ہوا نہ مہرباں تو دکھ ہوا
ہر گھڑی جس نے اذیت دی مجھے
اسکو دیکھا نیم جاں تو دکھ ہوا
بات اتنی بھی کٹیلی تو نہ تھی
منؔ پہ جب گزری گراں تو دکھ ہوا

❁❁❁

# بوڑھا مرد

میں ایک پینسٹھ سالہ پوتوں نواسوں والا مرد ہوں میں خود کو بوڑھا نہیں سمجھتا جبکہ میری آل اولاد مجھے بوڑھے کے سانچے میں مکمل فٹ کرنے کی تگ و دو میں لگی رہتی ہے۔ بڑی بہو ہر وقت مجھے پرہیزی کھانوں کی افادیت بتاتی رہتی ہے کہ " اس عمر " میں زیادہ میٹھا، نمکین چٹپٹا کھانے کا مطلب قبر کے سرہانے کھڑے ہونے کا ہے۔ بیٹے کا جب بھی کہیں باہر جانا ہوتا ہے تو میرے لئے رنگ برنگی قیمتی نمازی ٹوپیاں، عطر، قیمتی تسبیح یا مسواک لانا نہیں بھولتا مجھے یاد ہے آج سے چند برس پہلے اس نے میرے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا " ابا جی آپ نے جتنی محنت مشقت کرنی تھی کر لی اب ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں آپ آرام کریں اور اللہ اللہ کریں۔ میری بیٹی جب بچوں سمیت میکے آتی ہے تو بچوں کو کہتی ہے نانا کے پاس بیٹھا کرو، بزرگوں کے ساتھ بیٹھنے سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے اور میں مسکرا دیتا ہوں۔ میرے بچے اچھے ہیں میرا خیال رکھتے ہیں لیکن مجھے میرے مطابق جینے نہیں دیتے یہ بات انہیں نہیں پتہ کہ انکا ایسا خیال رکھنا میرے اندر عجیب سی مزاحمت پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ میں نے اپنی پوری جوانی انتہائی شرافت سے گزاری ہے (بدمعاشی تو اب بھی نہیں چاہتا)۔ ساری زندگی اپنی بیوی زہرہ اور اپنے بچوں کے ساتھ وفاداری سے گزاری انکے آرام اور سکھ چین کے لئے جوانی وقف کر دی اور آخر کار اپنے بیوی بچوں کو ایک اچھا لائف اسٹائل دینے میں کامیاب ہوا۔ اب اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ لیکن میرے دل کے حالات میری عمر کے ساتھ میل نہیں کھاتے میرا دل چاہتا ہے میں اپنی زہرہ کا ہاتھ پکڑے ساحل سمندر پہ کوئی رومینٹک گیت گاؤں، رنگ برنگی شرٹس پہنوں، ساحل کی ریت پہ اپنی زہرہ کے ساتھ فٹبال کھیلوں، وہ ہر کک پہ خوشی سے تالیاں بجائے، اسکی کلائیوں میں پڑی سرخ و سبز چوڑیوں کی کھنک ساحل سے ٹکراتی لہروں کی آواز سے ہم آہنگ ہوں، تو کتنا خوبصورت منظر ہو۔ لیکن وہ تو پھیکے رنگوں والی چوڑیاں پہنتی ہے۔ میں نے رنگین چوڑیاں پہننے کے لئے کہا تو ناک سے مکھی ہٹانے والے انداز میں ہاتھ لہرایا اور جھینپ کے منہ پہ رکھ لیا کہنے لگی " اقبال ساب بڈے وارے آپکی یہ شوخیاں نری چولیں ہی لگتی ہیں " میری جوان امنگوں پے بوڑھا پوچا پھیرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں خود پہ فخر کر رہی ہو گی کہ اس عمر میں بھی اسکا بڈھا شوہر اسکے واری صدقے ہوا جاتا ہے۔ یہ بیویاں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ اوپری اوپری بے نیاز اور اندر سے شکر گزار لیکن جو کام کرنے والا ہوتا ہے وہ نہیں کرتیں۔ خاوند کی باتوں کو مذاق ہی سمجھتی ہیں۔ ایک بار چاند رات پے بازار میں رنگ برنگی چوڑیاں دیکھ کے دل للچایا تو اپنی زہرہ کے لئے لے لیں گھر آیا تو سب لاؤنج میں ہی بیٹھے ملے میں نے چوڑیاں زہرہ کو دیتے ہوئے کہا اس عید پہ یہ والی چوڑیاں پہننا وہ اس " حملے " کے لئے تیار نہ تھی بوکھلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی، میری نظر بہوؤں پہ پڑی جو ایک دوسرے کو تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ آنکھوں آنکھوں میں معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ بیٹے الگ نظریں چرا رہے تھے یعنی اب میں اپنی بیوی کو پسند کا کوئی تحفہ بھی نہیں دے سکتا کہ میرے بچوں کو برا لگتا ہے۔ کیوں برا لگتا ہے کیا انکی ماں میری بیوی نہیں؟

یہی بات میں نے روبی سے کہی تو ہنس کے کہنے لگی اقبال صاحب ہم تو ہمیشہ سے ایسے تحفے کے منتظر ہی رہے اگلی بار دل چاہے تو چوڑیاں ہمیں بھجوا دیجئے گا واللہ انکار نہ کریں گے "۔ وہ ایسی ہی ہے منٹوں میں بات کو ادھر ادھر کر کے من ہلکا کر دیتی۔ روبی میری فیسبک فرینڈ ہے۔ اسی نے دوستی کرنے میں پہل کی وہ پینتیس سالہ بینک آفیسر ہے۔ بہت پہلے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھایا لکھایا، انکی شادیاں کیں۔ سب اپنے گھروں میں خوش آباد ہیں جبکہ وہ بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی ہے۔ اسکی شادی کا خیال اب پرانا ہو چکا اس لئے کسی نے نہ سوچا یا شاید سوچنا نہیں چاہتے۔ ابھی ایک بیمار بوڑھی ماں کی تیمارداری کا آخری فرض اسی نے تو پورا کرنا ہے۔ کبھی کبھی فون کال پہ بھی ہماری بات ہو جاتی ہے۔ زہرہ سے بھی بات کرتی ہے وہ اسے بیٹی کہتی ہے، لیکن روبی ہمیشہ "زہرہ جی" کہہ کے پکارتی ہے۔ وہ آنٹی انکل یا اماں جی بابا جی جیسے ٹانکے نہیں لگاتی۔ یا تو خود کو " بڑی " سمجھتی ہے، یا پھر ہمیں بڈھے نہیں مانتی۔ میں اسے جب بھی شادی کر لینے کا مشورہ دیتا ہوں تو جھٹ سے کہتی ہے " آپ سا کوئی ہو تو سوچنے میں ایک منٹ نہ لگاؤں۔ قسم سے "۔ اسکی باتوں سے اسکی پسندیدگی چھلکتی ہے لیکن میں اپنی زہرہ سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ یہ بات وہ بھی اچھے سے جانتی ہے۔

فیسبک کی دنیا ہم جیسے ویلوں کے لئے بہترین ہے۔ نماز و اذکار کے بعد کی فراغت کا بہترین حل ہے۔ ایک بار رات مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو میں نے فیسبک کھول لی اور مصروف ہو گیا۔ میرے بیٹے نے اتفاقاً دیکھ لیا کہنے لگا ابا جی یہ سب فضول کی چیزیں ہیں، رات اگر آنکھ کھل جائے تو تہجد پڑھ لیا کریں۔ ...*لو دسو!*

(منقول)

# نئی منزلیں آواز دیتی ہیں

تحریر: ڈاکٹر طاہرہ کاظمی

دل کی چھتری پہ بیٹھے سب سے چھوٹے پرندے حیدر میاں نے بھی بالآخر اپنے پر کھول کے لمبی پرواز بھر ہی لی! دور دراز اجنبی سرزمین پہ بنی انیسویں صدی کی پر شکوہ عمارت مندی آنکھوں سے دیکھتے اور مسکراتے ہوئے سب پرندوں کو اپنی آغوش میں سمانے کے لئے اپنے بازو وا کر دیتی ہے۔ دو صدیوں سے زمانے کے گرم و سرد سہتی، اپنے سائے میں دانا دنکا کھلاتی، سوچ کے نئے دریچے کھولتی، زندگی کی پر پیچ راہوں میں چلنے کا طریقہ سکھاتی ماں جیسی عمارت! نہ کسی کا رنگ دیکھتی ہے نہ نسل، نہ مذہب کا پیمانہ نہ جنسی تفاوت، بلاامتیاز علم بانٹنے پہ تیار کھڑی ہے! ہمیں تو ماں جیسی لگی وہ اور اس مہربان کو اپنا لختِ جگر سونپنے کے بعد ہم بے وجہ سوچوں کے سمندر میں ڈوبے جاتے ہیں۔

نہ جانے وہ کیا کر رہا ہوگا؟ کچھ کھایا بھی ہوگا کہ نہیں؟ نہ جانے کونسا لباس پہنا ہوگا؟ میلے کپڑے کیسے دھوئے گا؟ دوست بنے ہوں گے کہ نہیں؟ اپنے آپ کو تنہا تو نہیں محسوس کرتا ہوگا؟ کھانے میں پسند کی چیزیں کیسے ملیں گی؟ دل کیسے لگے گا؟ روئے گا تو نہیں؟ گھر چھوڑنا آسان کام تو نہیں ہوتا! تم نے بھی تو چھوڑا تھا گھر ایک دن یونہی، اسی طرح! دل میں جیسے کسی نے چٹکی بھری! ارے ہاں، ہم نے بھی ایک دن اسی طرح ماں باپ کے گھونسلے سے اڑان بھری تھی۔ تو کیا گھر کے دروازے پہ نم آنکھوں کے ساتھ بوسہ دے کر رخصت کرتی ماں نے یہی سوچا تھا؟ کیا ایسے ہی مختلف خیال ان کو گھیر کے پریشان کرتے تھے؟ کیا کرے گی؟ کیسے رہے گی؟ کیا کھائے گی؟ اور کب واپس آئے گی؟ اس وقت ہماری ماں اور ہمیں علم نہیں تھا کہ ماں کا بنایا ہوا گھروندا ہمیشہ کے لئے چھوٹ رہا تھا۔ آنے والے زمانوں میں ہم ملیں گے تو سہی لیکن اسی طرح جیسے دو مسافر اپنی اپنی ٹرین کے انتظار میں پلیٹ فارم پہ ملتے ہیں، کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں اور جدا ہو جاتے ہیں، پھر سے ملنے کے خواب آنکھوں میں سجائے۔ یہ انیس سو چوراسی کا موسم گرما تھا!

تیئس مئی کی دوپہر، گیٹ پہ ہونے والی زوردار دستک، ڈاکیے کی ایک سربمہر لفافے کے ساتھ موجودگی اور اماں کی بوکھلاہٹ! یہ تھی اماں کے گھونسلے سے اڑنے سے پہلے کی ہماری آخری شام! میڈیکل کالج کی فہرست میں ہمارا نام آ چکا تھا لیکن جب تیئس مئی کو ڈاکیہ یہ اطلاع لایا کہ چوبیس مئی یعنی کہ کل ہمیں کالج میں حاضر ہونا ہے تو گھر میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ کچھ بھی تو تیار نہیں تھا، بستر، کپڑے، روزمرہ استعمال کی چیزیں اور خود ہم بھی! خیال یہ تھا کہ بلاوے سے پہلے کچھ دن تیاری کے لئے ملیں گے لیکن نہ جانے ڈاک خانے کی مہربانی تھی یا کالج انتظامیہ کی کہ ہمیں اس کا موقع ہی نہ دیا گیا۔

گھر میں ایمرجینسی نافذ ہو گئی۔ ابا سوچ رہے تھے کہ ان کی تو دفتر سے چھٹی نہیں سو چھوڑنے کون جائے گا؟ اماں بستر، سوٹ کیس اور کچھ برتنوں کی فکر میں ہلکان اور آپا ہمارے کپڑے سمیٹتی ہوئی۔ رہے ہم تو ہمیں سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں؟ کیا نہ کریں؟

شام ہو گئی، بستر ہولڈال میں بندھ گیا، کپڑے اکٹھے کر لئے گئے، صابن، تولیہ، چمچ، پلیٹ، مگ پیک کر دیئے گئے۔ رات بارہ بجے کی تیز گام پہ ہماری اور بھائی کی ٹکٹ بک کروا دی گئی۔ اس ہڑبونگ میں ہمیں صرف یہ یاد رہا کہ ہم اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے جا رہے ہیں۔ ابا نے سر پہ ہاتھ پھیرا، اماں نے گلے سے لگا کر پیار کیا اور لیجیے جناب ہو گئی رخصتی ہماری! صبح سات بجے لاہور پہنچے اور سٹیشن سے رکشہ پکڑ کر سیدھے کالج! بھائی صاحب کالج گیٹ کے پاس سامان کی چوکیداری پہ کھڑے ہوئے اور ہم آفس کی طرف چلے جہاں ہمارے استقبال کی تیاریاں مکمل تھیں۔ مختلف شہروں سے آئی ہوئی لڑکیاں اور ان کے ہمراہ والدین بھائی یا سرپرست، دمکتے چہروں کے ساتھ! اس دن جو دوستیاں بنیں وہ آج بھی قائم ہیں! کالج آفس نے رہائش کے لئے ہمارے ہاتھ میں ایک پرچی تھمائی اور وارث روڈ پہ جانے کو کہا جہاں مختلف بلاکس کی وارڈنز کرسی میز بچھائے ان کے انتظار میں تھیں جنہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ ہوسٹل میں کیسے رہنا ہوگا؟

ہوسٹل میں داخلہ ہو چکا، چوکیدار ہمارا بستر اور باقی سامان ایک ہال کمرے میں ایک چارپائی کے سرہانے رکھ چکا جہاں بیس پچیس چارپائیاں قطار میں بچھی تھیں، کچھ خالی اور کچھ بھری ہوئی۔ نوعمر لڑکیوں کے چہروں پہ صبح میں دیکھی جانے والی مسرت اب اداسی اور پریشانی میں بدل چکی تھی، کہیں کہیں بھیگا ہوا کاجل بھی تھا۔ ہم بھی چپ چاپ ایک چارپائی پہ بیٹھ گئے، بھائی الوداع کہہ کر جا چکا تھا۔ فون تو تھے نہیں کہ جھٹ سے ملاتے اور پیچھے رہ جانے والوں کو دل کا حال سناتے۔

سورج ڈھل رہا تھا، پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے لیکن وارث روڈ کے ہوسٹل میں موجود چڑیاں ان پناہ گاہوں کو نہیں لوٹ سکتی تھیں جہاں انہوں نے زندگی کے اٹھارہ برس گزارے تھے۔ وہ ایک نئے جہان کی تلاش میں ماں باپ کے گھونسلے کو خیرباد کہہ آئی تھیں جہاں ماں باپ کے حصے میں ان تمام برسوں کے بیتے پل تھے اور انہوں نے انہی یادوں کے سہارے بقیہ زندگی گزارنا تھی۔ لیکن ان کا دل خوشی سے ہلکورے لیتا تھا کہ جو ننھی منی روحیں ان کی گود میں اتری تھیں، انہیں وہ دنیا فتح کرنے کے لئے میدان میں اتار چکے تھے۔ اماں ابا کا یہ قرض تو ہم نے چکانا ہی تھا سو ہم نے بھی اپنا گھونسلہ خالی کر دیا ہے اور ہماری گود میں آنے والے بھی سات سمندر پار روانہ ہو چکے ہیں۔ انیس سو چوراسی اور دو ہزار اکیس کے سفر میں کچھ مماثلت نہیں سوائے اس کے کہ جذبوں کی شدت، احساس کے رنگ اور دل سے اٹھتی آنچ ویسی ہی ہے۔

واپسی کا طویل سفر جہاں فلم دیکھنے، کتاب پڑھنے کے بعد کچھ اور نہ ہو۔ ارد گرد اکتائے ہوئے مسافر ماسک پہنے اونگھ رہے ہوں، اداسی اپنے گھیرے میں لے رہی ہو، ایسے میں یادیں ہی سہارا بنتی ہیں، گدگداتی، کھلکھلاتی، مہکتی ہوئی حسین و شریر یادیں! اور ہمارے پاس تو اس وقت تین نسلوں کی یادوں کا ذخیرہ ہے، جن کی اوٹ سے کبھی اماں ابا کے ساتھ گزرا ہمارا بچپن جھانکتا ہے اور کبھی تینوں بچوں کا ہمارے ساتھ گزرا ہوا وقت! ایک بات ہم جان چکے ہیں کہ یہ زندگی کا سفر ہے، آگے بڑھنے کا سفر۔ وقت کا چکر جس کے پھیر میں ہر کسی نے آنا ہے، چاہے کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ ❁❁❁

# موت کے سوداگر یا پھر...

تحریر: اریبہ نعیم

سو سال زندہ رہنے کے لئے ضروری نہیں سو سال جیا جائے بلکہ کوئی ایسا کام کر جائیں کہ دنیا آپ کو سو سال یاد رکھے۔ الفریڈ نوبل وہ نام ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ ہے، یہ نام فقط نام نہیں بلکہ انعام ہے اور انعام بھی وہ جو دنیا کا سب سے بڑا انعام ہے۔ نوبل انعام ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو دنیا کی بھلائی اور امن کے لئے سب سے اچھا کام کرتے ہیں۔ نوبل انعام کی شروعات 1901 میں ہوئی۔ 1901 سے 2019 تک یہ 597 دفعہ 950 لوگوں اور کمپنیوں کو دیا جا چکا ہے، ان 950 میں صرف دو پاکستانی شہری شامل ہیں ڈاکٹر عبدالسلام 1979 (فزکس) اور ملالہ یوسفزئی 2014 (امن)۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے یہ الفریڈ نوبل کون ہیں اور ان کے ذہن میں اس انعام کا خیال کیسے آیا؟ الفریڈ نوبل 21 اکتوبر 1833 کو سویڈن میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد انجینئر تھے، وہ سویڈن میں پہاڑوں سے پتھر توڑ کر پل بنانے کا کام کرتے تھے، ان پر ایک وقت ایسا آیا کہ ان کو سویڈن میں کام ملنا بند ہو گیا اس مشکل میں ان لوگوں نے روس جانے کا فیصلہ کیا اور وہ روس کے ایک شہر میں رہائش پذیر ہو گئے۔ روس میں ان کے والد نے گن پاوڈر بنانے کا کارخانہ لگایا اور انھوں نے روسی حکومت کے لئے گن پاوڈر بنانا شروع کر دیا۔

انہی دنوں کریمین جنگ شروع ہو گئی اور یوں گن پاوڈر کی طلب بڑھ گئی اور ان کا کاروبار چل پڑا اور بہت پیسا بھی آنے لگا۔ الفریڈ نے صرف سترہ سال کی عمر میں انگلش، فرنچ اور جرمن زبان پر عبور حاصل کر لیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کیمسٹری میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ 1850 میں ان کے والد نے ان کو مزید تعلیم کے لئے امریکہ بھیج دیا جہاں وہ امریکہ سے اپنی تعلیم مکمل کر کے فرانس چلے گئے۔ وہاں ان کو نائٹروگلسرین کیمیکل کے بارے میں پتہ چلا۔ نائٹروگلسرین کیمیکل اس وقت سب سے طاقتور کیمیکل تھا لیکن اس میں کچھ خامیاں تھیں اور اس کی نقل و حرکت پر پابندی عائد تھی کیونکہ یہ غیر محفوظ تھا۔ ادھر دوسری طرف کریمین کی جنگ ختم ہو گئی گن پاوڈر کی طلب میں کمی ہوئی اور یوں ان کے والد کا کاروبار بھی ختم ہو گیا اور وہ واپس سویڈن چلے گئے۔

الفریڈ نوبل نائٹروگلسرین پر تجربات کرنا چاہتے تھے اور ایسے دنیا کے لئے محفوظ بنانا چاہتے تھے، وہ نائٹروگلسرین کا نمونہ لے کر فرانس سے سویڈن چلے گئے اور وہاں الفریڈ نے اپنے بڑے بھائی اور والد کے ساتھ مل کر نائٹروگلسرین کو محفوظ بنانے کے لئے تجربات شروع کر دیئے۔ ایک دن 18 دسمبر 1864 کو تجربے کے دوران نائٹروگلسرین سے زوردار دھماکہ ہوا اور اس کے نتیجے میں الفریڈ کے بڑے بھائی کی موت واقع ہو گئی۔ بڑے بیٹے کی موت پر الفریڈ نوبل کے والد نے اپنے آپ کو اس کام سے علیحدہ کر لیا اور الفریڈ نوبل کو بھی اس کام سے منع کیا۔ ادھر سویڈن حکومت نے ریسرچ لیب شہر میں کھولنے پر پابندی عائد کر دی۔ الفریڈ نوبل نے شہر کے باہر ایک نئی لیب بنائی اور کام شروع کر دیا۔ کچھ سال لگے لیکن وہ کامیاب ہو گئے۔ اس نے دنیا کو بتا دیا اگر نائٹروگلسرین میں سیلکا شامل کر لیں تو نائٹروگلسرین کیمیکل محفوظ ہو جائے گا اور اسے کسی بھی شکل میں ڈھالا جا سکتا ہے یوں الفریڈ نوبل نے اپنی اس ایجاد کو ڈائنامائٹ کا نام دیا جس کا اردو ترجمہ بارود ہے۔

ڈائنامائٹ کے استعمال سے اب پہاڑوں کو آسانی سے توڑا جا سکتا تھا اور سڑکوں کی تعمیر آسان ہو گئی، یوں ڈائنامائٹ کی طلب میں اضافہ ہو گیا اور الفریڈ نوبل نے دوسرے ملکوں میں ڈائنامائٹ بنانے کے کارخانے لگانے شروع کر دیئے۔ یوں الفریڈ نوبل کو کثیر سرمایہ ملنا شروع ہو گیا۔ سب کچھ اچھا چل رہا تھا پھر کچھ ممالک نے ڈائنامائٹ کا غلط استعمال شروع کر دیا اور اسے جنگوں میں استعمال کرنے لگے یوں لوگوں کی اموات ہونے لگی۔

اسی وجہ سے لوگ ڈائنامائٹ اور اس کے موجد سے نفرت کرنے لگے۔ سال 1888 میں الفریڈ کا بھائی لوڈویگ کان کا دورہ کرتے ہوئے انتقال کر گیا اور ایک فرانسیسی اخبار نے غلطی سے لوڈویگ کی موت کو الفریڈ کی موت لکھا اور حادثے کو ''موت کے سوداگر کی موت'' کے عنوان سے شائع کیا۔ اخبار نے بارود کی ایجاد پر ان کی شدید مذمت بھی کی۔ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ''ڈاکٹر الفریڈ نوبل، جو پہلے سے کہیں زیادہ تیزی سے لوگوں کو ہلاک کرنے کے طریقے ڈھونڈ کر امیر ہو گیا، گذشتہ روز ان کا انتقال ہو گیا۔'' الفریڈ نے جب یہ خبر پڑھی تو اس سے انھیں سخت مایوسی ہوئی اور وہ اس سے زیادہ فکر مند ہو گئے کہ انہیں کن الفاظ میں یاد رکھا جائے گا۔ الفریڈ کو اس بات کا بہت دکھ ہوا کیوں کے انھوں نے ڈائنامائٹ لوگوں کی بھلائی کے لیے بنایا تھا لیکن اس کا استعمال غلط ہو رہا تھا۔ الفریڈ اب بوڑھے ہو چکے تھے وہ اپنی پوری زندگی دنیا کے نام کر کے اب یوں بدنام ہو کر مرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے لوگوں کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور مرنے سے پہلے اپنی ساری دولت جو کے (تقریباً 250 ملین امریکی ڈالر تھی (جو پاکستانی روپوں میں تبدیل کریں تو یہ رقم اکتالیس ارب آٹھ سو انتالیس ملین چھ سو ہزار روپے بنتی ہے) ان لوگوں کے لئے وقف کر دی جو دنیا کی بھلائی اور امن کے لئے سب سے اچھا کام کریں گے۔ 10 دسمبر 1896 کو الفریڈ کی موت واقع ہو گئی لیکن ان کی دولت سے دیا جانے والا نوبل انعام آج بھی زندہ ہے اور دنیا آج الفریڈ کو موت کے سوداگر سے نہیں بلکہ ایک سائنسدان کے طور پر جانتی ہے۔ پاکستان میں اس وقت ایک کروڑ بانوے لاکھ لوگ ایسے ہیں جن کی دولت اربوں میں ہے یا اس سے زیادہ ہے، ان میں سے صرف چند لوگ یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ آج سے اپنی دولت لوگوں کی فلاح و بہبود کیلئے وقف کر دیں گے۔ وہ یہ فیصلہ کر لیں وہ اپنی دولت سے کوئی ایسی لیب بنائیں گے جہاں ریسرچر تجربات کر سکیں، وہ یہ فیصلہ کر لیں کہ اپنی دولت ان قابل بچوں پر خرچ کریں گے جو وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن سکتے یقین مانیں جس دن ان لوگوں نے یہ فیصلہ کر لیا تو اس دن یہ ارب پتیوں کی لسٹ سے نکل کر عظیم لوگوں کی لسٹ میں شامل ہو جائیں گے جہاں ان کا کام اور نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

# گلاب اور انسان

تحریر: بشریٰ عمر بامی انگلینڈ

گلاب کو لوگ اس لئے نہیں پسند کرتے ہیں کہ وہ خوبصورت ہے بلکہ پسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ وہ خوشبو سے بھرا ہوا ہے اسی طرح وہی انسان قابل اعتبار اور صاحب وقار ہوتا ہے جس میں علم کی خوبصورتی اور عمل کی خوشبو ہو۔

گلاب کا رنگ لال، سفید، پیلا اور کالا ہو سکتا ہے مگر وہ اس کی مقبولیت اور پذیرائی کا معیار اس کی خوشبو ہے اسی طرح انسان کا رنگ گندمی سفید یا سیاہ ہو سکتا ہے وہ سماج میں معتبر تبھی ہو سکتا ہے جب اس کے علم پر اس کا عمل اور کردار حاوی ہو۔

گلاب ہزار کانٹوں کے درمیان رہ کر بھی اپنی مدت حیات کو مکمل کرتا ہے اور اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے اسی طرح انسان کو حالات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنے وقار کو برقرار رکھنا چاہئے جب تک انسان آزمائشوں سے دوچار اور حالات کی ناسازگاری کا شکار نہیں ہوتا ہے تب تک اس کے کردار کو بلندی اور حوصلے کو مہمیز نہیں ملتی ہے

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد

گلاب کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ جو بھی اس کے قریب سے گذرتا ہے اسے وہ معطر کر دیتا ہے اور اپنے چاروں طرف خوشبو پھیلائے رہتا ہے اسی لئے مالی کے لئے وہ اہمیت کا حامل رہتا ہے اسی طرح انسان اپنے علم و فن کی خوبصورتی اور عمل کی خوشبو سے اپنے سماج کو مزین اور معطر رکھتا ہے لیکن جس دن انسان اپنے کردار و عمل کی خوشبو سے محروم ہو جاتا ہے اس دن وہ سماج کے لئے کانٹا اور سوکھا ہوا پھول بن کر رہ جاتا ہے۔

جب گلاب مرجھا جاتا ہے اور اس کی خوشبو اس سے جدا ہو جاتی ہے تب لوگ اسے مسل کر پھینک دیتے ہیں یا اس کی پنکھڑیوں کو ہوا کی نذر کر دیتے ہیں انسان جب اپنوں کے لئے بے عمل اور بے سود ہو جاتا ہے تب وہ نظر استحسان سے دور ہو جاتا ہے۔

گلاب جب اپنی شاخ سے جدا ہوتا ہے تب کہیں جا کر وہ کسی کے سر کا سہرہ یا گلے کا ہار بنتا ہے انسان بھی جب تک گھر سے دور راہ کی ٹھوکریں اور راستے کی دھول نہیں پھانکتا ہے تب تک اسے کامیابی اور کامرانی نہیں ملتی ہے

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا

عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

گلاب بہت مختصر مدت ہی میں مالی کا نور نظر ہو جاتا ہے جو اس کی بقا کے لئے ہمیشہ دعا گو رہتا ہے ہم انسانوں کو بھی یہی سبق لینا چاہئے کہ جو بھی مہلت زندگی ملی ہوئی ہے اسے مفاد عامہ کی راہ میں صرف کریں اور سب کے لئے مفید بن کر لوگوں کی دعاؤں کے مستحق بنیں۔

کھلا گلاب تو یہ راز بھی کھلا ہم پر

کہ سرخ رنگ ہری ٹہنیوں میں ہوتا ہے

گلاب کا پھول محبت کی علامت ہے اس کے شوخ رنگ جذبات کے اظہار کا موثر ذریعہ ہیں جب گلاب شاعری میں آتا ہے تو شاعر اسے محبت کی ڈوریوں میں پرو کر اپنی الفت کا اظہار کرتے ہیں گلاب جب طبیب اور حکماء کے پاس آتا ہے تو وہ اس کے طبی خواص کو کشید کر کے دوائیں تیار کرتے ہیں عام طور پر گلاب کی دو اقسام ہیں دیسی گلاب اور ولائیتی گلاب لیکن خوشبو کے لحاظ سے دیسی گلاب بالکل منفرد ہے دیدی گلاب کو بھی مزید دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے سیوتی اور سندھی سیوتی گلاب کا رنگ گلابی مائل سرخ اور خوشبو ذرا ہلکی ہوتی ہے جبکہ سندھی گلاب تیز سرخ یا ہلکا سیاہی مائل ہوتا ہے اس کی خوشبو زیادہ تیز ہوتی ہے گلاب کا عطر اسی گلاب سے بنتا ہے طبی طور پر استعمال کے لئے دیسی گلاب ہونا ضروری ہے قبض کی شکایت میں تازہ گلاب کو دودھ میں ابال کر چینی ڈال کر گھونٹ گھونٹ کر کے پینے سے قبض کی شکایت دور ہو جاتی ہے گلاب کو سونگھنے سے دل کی دھڑکن میں نظم پیدا ہوتا ہے اور دماغ کو بیداری اور قرار حاصل ہوتا ہے گرمی کی وجہ سے سر درد سر سے گرمی نکلتی ہو دل میں بے چینی ہو تو ایسے میں عرق گلاب کا پینا یا سونگھنا فائدہ دیتا ہے متلی اور چکر بھی دور ہو جاتے ہیں گلاب کی پتیوں کو پیس کر ورم کی جگہ لگانے سے آرام ملتا ہے کمزور مسوڑھوں کی وجہ سے دانت کمزور ہو جائیں تو تازہ خشک کئے ہوئے گلاب کے پھولوں کو پانی میں جوش دے کر اس سے بار بار کلیاں کرنی چاہیئے ہاتھ پاؤں کی جلن سے افاقے کے لئے ایک بڑا چمچ عرق گلاب آدھے گلاس پانی میں حل کر کے چینی ملا کر شربت بنا کر برف ڈال کر پینے سے گرمی دور ہو جاتی ہے ساتھ پیاس کی شدت کم ہو جاتی ہے۔

منقول

❀❀❀

# وہ مائیں جو باپ بھی ہیں

تحریر: سدرہ ڈار

میں شہر سے ایک ہفتہ باہر چلا جاؤں تو میری بیوی کا رویہ فون پر ہی چڑچڑا محسوس ہونے لگتا ہے، بے وجہ الجھنا، لڑائی کا کوئی بہانہ ڈھونڈ لینا کچھ نہ ملے تو یہ کہہ دینا کہ آپ اچھے ہیں جو دوسرے شہر جا کر بیٹھ گئے اور یہاں میں ہلکان ہو چکی ہوں۔

ہزاروں جھمیلوں میں، ان باتوں پر کبھی میں بھی آواز اونچی کر لیتا ہوں تو کبھی خاموش ہو جاتا ہوں، گھر لوٹ کر اندازہ ہوتا ہے کہ میری عدم موجودگی میں بچوں نے بیگم کا کیا حال کیا ہوگا، اسکول چھوڑنے سے لیکر ان کو لنچ بکس بنا کر بیگ میں رکھنے تک اور پھر اسکول سے واپس لا کر ان کی جھوٹی سچی کہانیاں مسکرا مسکرا کر سننے سے لیکر منہ میں نوالے ڈالنے تک آدھا دن تو یوں ہی گزر جاتا ہے۔

پھر ان کو سلانا پھر ان کے بیگ کی تلاشی لینا کہ بچے کہیں کسی اور سرگرمی میں تو نہیں پڑ گئے۔ وہ سو کر اٹھیں تو ان کو ٹیوشن بھیجنا شام کی چائے کے ساتھ کسی کی فرائز کی فرمائش تو کسی کو نگٹس دینا، ساتھ ساتھ چولہے پر چڑھی رات کی ہانڈی تو گھڑی پر نظر۔

اسی دوران اگر کوئی بن بلائے مہمان بن کر آجائے تو اس کے لیے اچھے کھانے کی فکر، اس کے رخصت ہونے پر اگلے دن کی پریشانی اسے کئی گھنٹوں پہلے شروع ہو جاتی ہے بچے کسی نئے سیل کی بیٹری کی طرح چارج ہوئے پھر رہے ہوتے ہیں اور وہ ان کے دھلے یونیفارم استری کرنے کے بعد مجھے آواز لگا دیتی ہے کہ سنیں! کل آفس آپ کو کون سے کپڑے پہن کر جانا ہے؟ اس ساری روٹین میں کہیں یہ نہیں بھولتی کہ آنے والے چند ماہ بعد جو خاندان میں شادی ہے اس میں کتنا خرچہ ہونے والا ہے، کیا کیا بنانا ہے کہاں کہاں سے بچت کرنی ہے، کون ناراض ہے اسے کیسے منانا ہے اور کون ہے جس سے بچ کر چلنا ہے کہ کہیں رنگ میں بھنگ نہ پڑ جائے۔

اگر میں ایک روز بیٹھ کر یہ سب نہ دیکھتا اور دل سے محسوس نہ کرتا تو شاید دفتر میں بیٹھا یہی کہہ رہا ہوتا کہ بس بس رہنے دو ان عورتوں کو تو ٹھنڈے دودھ کو پھونکیں مارنے کی عادت ہے، اتنا کام ہوتا نہیں جتنا واویلہ مچاتی ہیں۔

چار بچوں کا باپ ہوں شام کو گھر جاؤں تو بچوں کو بے صبری سے میرا انتظار ہوتا ہے موڈ اچھا ہو تو ان کے وارے کے نیارے ہو جاتے ہیں جس روز باس سے تین پانچ ہو جائے تو اس دن بچوں کو میری ایک چنگھاڑ ہی بیرکوں میں چھپا دیتی ہے۔ سارا دن کھپنے والی بیوی بچوں کو اندر کمرے میں جا کر پٹیاں پڑھاتی ہے کہ بابا تھکے ہوئے آئیں ہیں ان کے سر میں درد ہے شور نہیں کرنا جو چاہیے مجھے بتاؤ، اور میرے موڈ کو بھانپتے ہوئے مجھے سونے کا مشورہ دیکر وہ کمرے سے نکل جاتی ہے۔

میں یہ سوچ کر کروٹ لیکر آنکھیں موند لیتا ہوں کہ چلو ڈانٹنا اچھا ہی ہوا کچھ تو نیند پوری ہو۔ لیکن رات کے کسی پہر جب میری نیند بے وقت سونے سے کہیں دور چلی جاتی ہے تو بیوی کو بے سدھ گہری نیند میں دیکھ کر میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ یہ عورت کتنا کام کرتی ہے اور یقیناً اس لمحے بھی کئی کام ذہن میں لیے سوئی ہوگی اگر رات نہ بنی ہوتی تو ابھی بھی گھر کے جھمیلوں میں الجھی نظر آتی۔

میں 16 برس کا تھا جب میرے والد اس دنیا سے رخصت ہوئے مجھ سے چھوٹے دو اور بھائی تھے جن کی عمریں 12 اور 8 برس تھیں، والدہ کی کم عمری میں شادی ہوئی، ابھی عمر 36 برس ہوئی تھی اور زندگی تھوڑی سہل محسوس ہونا شروع ہوئی تھی کہ بیوہ ہو کر انہیں ہمیں ساتھ لے کر نانا کے گھر آنا پڑا۔

ہم اس عمر میں تھے کہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ہم پر کیا قیامت گزر گئی۔ کیسے اماں نے ہمیں پالا، کسی کا احسان لیے بغیر مالی مدد کے بنا پڑھا لکھا کر اس مقام تک پہنچایا کہ آج سوچوں تو دل پر منوں بوجھ محسوس ہوتا ہے آج اس قیامت کے گزرنے کی شدت ہلکی سی بھی محسوس ہو تو رات کی نیند اڑ جاتی ہے۔ باپ کے بغیر میں نے چوبیس برس گزار لیے، اُف، کیسے؟ کس طرح؟ اتنے برسوں میں ابا یاد بھی نہیں آئے سوائے ایک موقع کے جب میں خود باپ بنا، بیٹے کے کان میں آذان دی تو گلا رندھ سا گیا اماں کو اتنا خوش دیکھ کر دل کیا کہ کہوں کہ کاش آج ابا زندہ ہوتے تو وہ بھی کتنا خوش ہوتے کہہ نہ سکا، لیکن آج سوچتا ہوں کہ اماں نے بھی اس وقت ایسا ہی سوچا ہوگا۔

میری ماں نے بڑی محنت سے ہم کو پالا، لڑکوں کو پالنا کوئی آسان بات تھوڑی ہے اس کا اندازہ اپنے سپوتوں کو دیکھ کر ہی ہوتا ہے، ایک کو پیار کرو تو دوسرا خفا، تیسرے کا کہنا کہ آپ کو تو میں نظر نہیں آتا، چھوٹے کا بس چلے تو وہ تین کو پاس نہ آنے دے۔ روز ایک ہنگامہ روز ایک نئی کہانی، اسکول سے آنے والی شکایات کا انبار دماغ کے کل پرزے ہلا دیتا ہے تو امتحانات میں کم نمبر آنے پر لہو کھولنے لگتا ہے۔

نہ جانے اماں کیسے ہمیں سنبھالتی ہوں گی؟ نہیں رہا گیا تو ایک روز جب اماں کا لاڈلہ پوتا انکی گود میں بیٹھا ان کے بالوں سے کھیل رہا تھا تب میں نے یہ سوال پوچھ ہی ڈالا کہ امی، ابو کے انتقال کے بعد آپ نے کیسے ہمیں پالا ہم دونوں میاں بیوی سے تو یہ نہیں سنبھلتے آپ اکیلے کیسے کرتی تھیں؟

اماں کو تو جیسے جھٹکا لگ گیا غور سے مجھے دیکھا اور کہا کہ دنیا کے لیے تو تمہارا باپ اس جہاں میں نہیں تھا لیکن میں نے تم سب کو پالا اسی کے ساتھ ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا جب رات کو میں ان کے سامنے روتی نہیں تھی، تم بچوں کی شکایتیں نہ کرتی تھی، تم جب بیمار پڑتے تو اپنی فکر کا اظہار تمہارے بابا سے ہی کرتی تھی، تم جب کامیاب ہوتے تھے تو انہیں ہی سب سے پہلے بتاتی تھی وہ جسمانی طور پر بھلے نہ سہی لیکن تھے ہمارے ساتھ ہی، اتنے برس بیت جانے کے بعد بھی تمہارے بابا آج بھی ساتھ ہیں۔ میں ان کے جواب سے ہل سا گیا، بدن میں ایک سرد لہر سی دوڑی اور ایک بار اپنی ماں پھر مڑ کر اپنی بیوی کو دیکھا جو رات کا کھانا بنا رہی تھی اور ساتھ ساتھ

بڑے بیٹے کو ایک مضمون بھی لکھوا رہی تھی لیکن چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون تھا۔ عورت کو سمجھنا مشکل ہے یہ سنا ضرور تھا آج اماں کی بات سن کر یقین ہو گیا۔ جس عورت نے عین جوانی میں، جب اسے قدم قدم پر شوہر کے ساتھ کی ضرورت تھی بیوگی کی چادر اوڑھ لی تھی، اپنے بچوں کو اس ذمہ داری سے پالا کہ روز محشر اس سے اس کا شریک حیات سوال کرے گا کہ کیسے پالا میرے بچوں کو کوئی کمی تو نہیں چھوڑی؟ امتحان پر پوری اتری یا ہمت ہار بیٹھی؟ لیکن وہ تو روز محشر کیا اپنے شوہر کو آج بھی جوابدہ ہے۔ اب جب میں اپنی بیوی کو اپنی غیر موجودگی میں اتنی ساری ذمہ داریاں سنبھالنے پر جھنجھلاہٹ کا شکار دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کاش میری ماں دوسری شادی کر لیتی لیکن جب سے ان کا جواب سنا ہے میں تو بس چپ رہ ہی گیا ہوں ہر دلیل، ہر جواز، ہر سوچ ان کے جواب کے سامنے ختم ہو چکی۔

مرد شاید ایسا نہیں کر سکتا شاید اس کے خمیر میں ہی ایسا نہیں ہے وہ صرف باپ بن سکتا ہے۔ ماں نہیں لیکن ایک ماں باپ بھی بن جاتی ہے اور سب کچھ سنبھال لیتی ہے۔

حسن صاحب سے اس پر اثر تبادلہ خیال کے بعد میں نے اپنی ماں کی جانب بھی دیکھا جن کے بالوں میں ابھی آٹھ دس سے زیادہ سفید بال نہیں آئے، جس پر میں انہیں اکثر چھیڑتی ہوں کہ ان سیاہ بالوں کا راز تو بتا دیں تو وہ گھور کر دیکھتی ہیں، امی کی حس مزاح اب بھی کمال کی ہے، کچھ لکھنے کی خواہش ہو تو ان سے رہنمائی لازمی لیتی ہوں۔ ابو کی وفات کو پانچ برس بیت گئے جس روز سے ابو گئے میں نے انہیں سوتا نہیں دیکھا، رات کے کسی پہر آنکھ کھلی ہو یا تو عبادت کرتے دیکھا یا اپنے پلنگ پر سر ٹکائے ہاتھ میں کوئی کتاب لیے دیکھا، صبح دفتر جاتے وقت سب کو ان کی جانب سے ہدایت نامہ لازمی ملتا ہے، وہ اس وقت بھی جاگ رہی ہوتی ہیں کبھی جو ان کی آنکھ لگ جائے تو ہلکی سی آہٹ سے وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتی ہیں۔ ابو کی وفات کے بعد بھی سسرال کو نبھانے سے لیکر ہر خوشی غمی میں ان کی شرکت لازمی ہے۔ گھر آج بھی اسی طرح ہے جیسے ابو کے وقت میں تھا، ہر چیز اپنی جگہ نفاست اور قرینے سے یہاں تک کہ ابو کی الماری میں آج بھی ان کے کپڑے اور استعمال کی اشیاء ویسی ہی ہیں جیسے وہ اسے استعمال کرتے ہوں۔ ایک بار کسی بات پر جھنجھلا کر میں نے کہا کہ اب سسرال نبھانا چھوڑ دیں جتنا آپ کرتی ہیں اتنا دوسرے تو نہیں کر رہے تو جواب آیا کہ میں اس لیے نہیں نبھا رہی کہ بدلے میں مجھے کچھ ملے، بلکہ اس لیے کرتی ہوں کہ تمہارے باپ نے اپنی زندگی میں یہ سب کیا ان کے جانے کے بعد یہ سب نہیں چھوڑا جا سکتا۔ روز کسی بہانے سے ابو کی کوئی بات نکل آتی ہے، کوئی خاص کھانا بنے تو فوراً کہتی ہیں کہ فلاں چیز تمہارے ابو بہت شوق سے کھاتے تھے۔ جب کبھی کوئی مشکل پڑ جائے اور ایسا محسوس ہو کہ مشکل اب ختم نہیں ہو گی تو بھی امی کوئی راستہ نکال دیتی ہیں۔ ابو کے جانے کے بعد کتنی آزمائشیں، پریشانیاں، لوگوں کے بدلتے رویئے، حالات دیکھے، لیکن امی کی ہمت کم نہیں دیکھی۔

اب امی وہ نہیں لگتیں جو پہلے ہوا کرتی تھیں کبھی کبھی از راہ مذاق کہہ دیتی ہوں کہ امی ایسا لگتا ہے آپ میں ابو کی روح آ گئی ہے آپ بڑی سخت ہو گئی ہیں، اصول کچھ بڑھ گئے ہیں تو جواب آتا ہے کہ پہلے میں ایک ماں تھی اب مجھے ماں کے ساتھ باپ بھی بننا پڑتا ہے اور جب ذمہ داریاں بڑھ جائیں اور منزل دور ہو تو تھکنا نہیں چاہیے بلکہ سانس لینے کے لیے منزل تک ہی جانا واحد حل ہوتا ہے۔ ہر گھر میں ماں ہے اور اس کی قدر و منزلت کسی طور کم نہیں لیکن وہ مائیں جو باپ بھی ہیں اور اس بے رحم دنیا میں آپ کی زمین بھی بنی بیٹھی ہیں اور تپتی دھوپ سے بچانے کے لیے چھپر بھی، انہیں جتنا بھی خراج تحسین پیش کریں وہ کم ہے۔ جب بھی کوئی اولاد اپنی ماں کو مشکل وقت اور خوشی کے لمحوں میں کسی پلنگ، کرسی، جائے نماز یا گھر کے کسی کونے میں آنکھیں بند کیے بیٹھے نظر آئے تو سمجھ لیجیے کہ وہ دکھ سکھ جو وہ کسی سے نہیں کرتی یا تو اپنے خدا سے کرنے میں مشغول ہے یا پھر اس سے جو اس پر ذمہ داریوں کا بار چھوڑے ایک لمبی تعطیل پر گیا ہوا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں لیکن رابطہ پورا ہے۔ ❁❁❁

# وادی سون کا پر اسرار قلعہ تلاجہ، ماہرین نے تحقیق شروع کر دی

تحریر: آصف محمود

لاہور: ماہرین آثار قدیمہ نے نوشہرہ وادی سون میں ایک پُر اسرار قلعہ تلاجہ پر تحقیق شروع کر دی ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کی ایک ٹیم نے ضلع خوشاب کی تحصیل نوشہرہ وادی سون میں ایک پُر اسرار قلعہ تلاجہ پر تحقیق شروع کر دی ہے، ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر عبدالحمید اس ٹیم کی سربراہی کر رہے ہیں۔

مقامی روایات کے مطابق اس قلعہ کی تعمیر پانچ ہزار سال قبل ہوئی تھی، تاریخی طور پر اپنی طرز کے اس قلعے کو جلال الدین خوارزمی کے ساتھ بھی منسلک کیا جاتا ہے جس نے چنگیز خان سے بچنے کیلئے اس وادی میں پناہ لی، قلعے پر موجود آبادی کے آثار اس روایت کی حمایت نہیں کرتے۔

ماہرین آثار قدیمہ کی ابتدائی تحقیق کے مطابق یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس قلعہ کی تعمیر کو کسی بھی صورت پانچ ہزار سال قبل سے نہیں جوڑا جا سکتا مکانوں کے طرز تعمیر، استعمال ہونے والے پتھروں کا سائز، آبادی کی مختلف حصوں کی تقسیم اور سطح پر بکھرے انسانی استعمال میں رہنے والی چیزیں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ یہاں مسلمان آباد تھے جو جلال الدین خوارزمی کے آنے سے پہلے اس جگہ کو اپنے مسکن کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ ❁❁❁

# یہ مقام ہے بابا عشق کا، یہاں ننگے پاؤں چلا کرو

تحریر: ڈاکٹر شاہدہ دلاور شاہ

یہ بات سچ ہے کہ کئی دہائیوں کے کڑے اور تھکا دینے والے مسلسل سفر کے بعد اردو غزل کی انگڑائیاں ابھی تک بھی بدستور جاری ہیں۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد وطن کی مٹی کی حفاظت کے لیے جہاں ہر محکمے اور ادارے نے بڑھ چڑھ کر دعوے کیے اور کسی حد تک ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی وہاں ادب اور ادیب نے بھی اپنے کاندھوں پر لی گئی ذمہ داریاں خوب نبھانے کی جدوجہد جاری رکھی۔ اس جُہد کے لیے جس جراتِ رندانہ کی ضرورت تھی ہمارے ادیب نے وہ تہور پن اپنے اندر پیدا کر کے زمانہ و تاریخ سازی کی تاریخ رقم کی کہ آوازوں کی جھنجھناہٹ میں سے علامت، استعارہ، تشبیہ اور لفظ تخلیق کیے۔ یہ ادب ہی ہوتا ہے جو انسان کو اس کی مختصر ترین زندگی میں اس کے اکناف واطراف میں پھیلی ہوئی کئی غیبی کائناتوں کی سیر کرا دیتا ہے۔

اگر اس جہان اور اگلے جہان کی باریکیوں پر بہ نظر غائر پرکھ کی جائے تو آسانی سے اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ حرفِ آخر کے عقب میں عشق کا وسیلہ ہی حیات کی مشکلات کو آسانی میں بدل کر اسے تازگی وتراوت مہیا کرتا ہے اور اسی وسیلے سے رب کائنات کا محبوب بھی مقام محمود تک پہنچتا ہے۔

جہاں عقل ہاتھ کھڑے کر لیتی ہے، سرکونگوں کرتی ہے اور سوچ جامد ہو جاتی ہے، عشق وہاں اپنا سفر آغاز کرتا ہے۔ عشق ایک جہد مسلسل ہے، سچ کی گواہی ہے ”محبت کی رمز ہے، سلوک کی منزل ہے، عہد کی صداقت ہے، علوم کا بام ہے، جنون کی آخری حد ہے، زندگی ہے اور شعر کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

دنیا کا سب سے پر اسرار راز خود انسان ہے۔ اس راز کا عقدہ، رب دوجہاں کی ذات اقدس میں کھلتا ہے۔ تو بس پھر جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے خالق کائنات کو پہچان لیا۔

ڈاکٹر یسین عاطرؔ بنیادی طور پر رومانوی شاعر ہیں۔ وہ اپنے شعری رومان کو اشیا کائنات، مناظر فطرت، انسانی حسن، سماجی رویوں اور اسلوب کی تازگی سے آراستہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس عزم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جس سیڑھی کا سہارا لیا وہ ”عشق“ ہے۔ عشق کی ماہیت کا ادراک رکھنے والا بخوبی جان سکتا ہے کہ ”عشق وسیلہ“ کے خالق نے جسے وسیلہ کیا ہے وہ بے کنار قوت ہے یعنی وہ عشق کی پر خار وادی میں کود گئے ہیں۔ اس کو جادہ کرنے والا نہ تھکتا ہے نہ رکتا ہے اور نہ بھٹکتا ہے۔

ڈاکٹر یسین عاطرؔ نے اپنی کتاب کا بہت منفرد نام ”عشق وسیلہ“ رکھا اور پھر عشق کے اسرار ورموز سے مکمل آگاہی رکھی۔ یہ بات میں نہیں کہتی اس بات کی صداقت ان کی شاعری سے آپ کو ملے گی۔ انہوں نے اپنے کتاب کے انتساب سے قبل اپنی اس پہلی تخلیق میں ایک شعر لکھ کر اپنی اس بصیرت پر مہر یقین ثبت کی ہے:

تونگری تو ملی عشق کے وسیلے سے
یہ لوگ کیوں مری آ کر دکان دیکھتے ہیں

بلاشک وشبہ عشق وہ عظیم اور بے بہا قوت اور خزینہ ہے کہ اس کے سامنے دنیاوی مال ومتاع سب بے معنی اور ہیچ ہیں۔ ڈاکٹر یسین عاطرؔ نے ایک ہی شعر میں دنیاوی جاہ وحشمت پر لات مار کر عشق کی حقیقت کی گرہ کھول دی۔ وہ نہ صرف خود اس کی پنہائیوں پر یقین کامل رکھتے ہیں بلکہ انہوں نے ان احمق لوگوں کی بھی سرزنش کی ہے جو مادیت پرست ہیں اور اس حسد کی بھٹی میں خود کو ڈالنے سے اکثر گریز نہیں کرتے۔

مجھے کہنے دیجیے کہ کائنات بنانے والی کی نگاہ بھی عشق ہے۔ عشق دراصل احساس کی دولت ہے، جس کا مکیں دل ہوتا ہے جو اس سے مالامال ہے دنیا ومافیہا کی ہر طمع سے مبرا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یسین عاطرؔ ایک حساس دل کے مالک ہیں انہوں نے یہ راز اپنی پہلی شعری تصنیف میں منکشف کیا ہے۔ گویا یہ انہوں نے کسی کو نیچا دکھانے کے لیے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے دل کی گواہی سے نفس کی سچائی کو فروغ دیا ہے۔ ڈاکٹر یسین عاطرؔ نے جتنی شاعری کی ہے دل سے کی ہے وہ تصنع اور بناوٹ پر چار حرف رکھتے ہیں:

جتنی بھی محبت ہے وہ آنکھوں سے بیاں کر
ڈبے پہ ربن باندھ کے تحفہ نہیں دیتے

دیکھنے پڑھنے میں یہ شعر ممکن ہے سطحی اذہان کو سطحی معلوم پڑے مگر ہرگز ہرگز یہ سطحی نہیں ہے۔ اس بظاہر سادہ شعر میں زندگی کی ایک بڑی کاٹ چھپی ہوئی ہے۔ آپ کے گرد وپیش میں ایک ہی دن میں سیکڑوں لوگ ایسے ہوں گے جن کے دل کدورت، حسد اور نفرت سے آلودہ ہوتے ہیں مگر وہ اپنی کھوکھلی محبت چند سکوں کے عوض جتاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بھید کو چوراہے میں لا کر پھوڑ دیا ہے کہ محبت کے لیے کسی مادی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ تو محض چہرے کی سچائی اور آنکھوں کی پاکیزگی ظاہر کی جا سکتی ہے۔ اگر دل میل سے صاف ہو، احساس رگ جاں سے پھوٹے اور خیال کا تانا بانا محبت سے پروان چڑھا ہو تو پھر کسی کو اپنی چاہت کا پیپا پیٹنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انسان کی آنکھ محبت پھیلانے کا ایک آسان اور سستا ذریعہ ہے جس سے کوئی بھی مخلص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہ کام کسی بادشاہ، مادیت پرست یا لینڈ لارڈ فیوڈل کا نہیں بلکہ یہ فقیرانہ وتیرہ کسی درویش کا ہو سکتا ہے۔ دولت سے دل کب جیتے جاتے ہیں دل سے دل تک پہنچنے کے لیے تو آنکھ کی صداقت کا پل استعمال کیا جانا چاہیے یہی صوفیانہ فکر کی ترسیل ڈاکٹر یسین عاطرؔ کے اس شعر سے نمایاں ہے۔

عہد موجود کی مادہ پرستی پر طنز کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ کہاں گئے وہ زمانے جب انسان کی کل متاع، فکر و دانش ہوا کرتی تھی اب تو دانش و ہنر کی کوئی وقعت نہیں رہی بلکہ اس کی جگہ مادیت پرستوں نے معنی کے بدلاؤ سے اپنی سہولت کے مطابق ڈالر نام رکھ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اب تو ڈالر ہی دورِ حاضر میں

اک غزل، نظم، مثنوی ہے میاں

ڈاکٹر یسین عاطر چاہتے تو پیچیدہ اور گنجھل دار لفاظی سے اپنے اشعار کو ایک عامیانہ رنگ میں رنگ سکتے تھے، پر انہوں نے اپنے آپ کو عمومیت کی چھاننی سے بچالیا آپ نے پر چلت موضوعات کے انتخاب کے لیے الفاظ کے معاملے میں سادگی اختیار کی اور ان کو ہی نیا آہنگ اور نیا مزاج عطا کر کے اپنے ہم عصروں سے الگ شناخت بنالی جس سے اب ان کی شعری تخلیق صرف اس صدی تک محدود نہیں رہ گئی بلکہ کلچرل میکانیت کی یہ بے بہا بصیرت اگلی صدیوں کے افراد کی مدد کرے گی کیوں کہ ڈاکٹر یسین عاطر کا سب سے بڑا موضوع انسان اور سماج ہے جو ذرے سے کائنات اور فرد سے انسانیت کی جانب رواں دواں ہے جو زمان و مکان و آدم کی ایک مثلث ہے۔ آدم علیہ اسلام سے آج تک اور آج سے قیامت تک یہ مثلث قائم رہے گی۔ نہ اس زنجیر نے ٹوٹنا ہے اور نہ ہی ڈاکٹر یسین عاطر کا شعری سحر زائل ہونا ہے عصری شعور سے ہم آہنگی اور ماہر طب و سائنس ہونے کہ بنا پر ڈاکٹر عاطر کی شاعری میں ایک اعتدال بھی پایا جاتا ہے اور موجود و نا موجود کی سچائی بھی، جس کو وہ اپنے اسی تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے شعر کی قرات میں ان کے تمام اقربا شامل حال ہوتے ہیں جن کا تعلق ان کے پروفیشنل طبقے، طلبہ، اساتذہ، خاندان، قبیلے کے افراد، ان کے سامعین، دوست احباب اور خصوصاً محبوب بھی۔ کہیں کہیں وہ مکھی پر مکھی مارنے والوں کے برج مسمار کر کے رکھ دیتے ہیں تو کبھی کبھی روایتی محبوب کو اپنے برابر لا کھڑا کرتے ہیں:

جو چاند چھت پہ تمہاری ہے، دیکھتے رہنا

ادھر میں چاند وہی، اپنے گھر سے دیکھتا ہوں

اس شعر میں ڈاکٹر یسین عاطر نے مبالغہ آرائی کے تمام بت ملیا میٹ کر دیے ہیں۔ اس شعر سے پہلے تک تو شاعر حضرات لفظ چاند کا درجہ محبوب کو دیتے رہے۔ یہاں چاند نہ محبوب ہے نہ محبوب جیسا بلکہ چاند ایک کائناتی حقیقت ہے جو محض ایک سیارہ ہے اور اس سے قمری اوقات میسر آتے ہیں۔

"عشق وسیلہ" ڈاکٹر یسین عاطر کی پہلی شعری تخلیق ہے۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق لاہور سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علم اور روزگار دونوں عبادت ہیں دونوں کے لیے ہجرت کرنا بھی بڑی سعادت کا کام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یسین عاطر نے ان دونوں ہجرتوں کی صعوبت کا خوب لطف لیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ انہوں نے ہجرت کی گردش افلاک میں دریوزہ گری کی ہے۔ جیون ساتھی ہو، روزگار کی بات ہو یا ہجرت ہو، یہ سب قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں کہ:

جس کا جو سنجوک ملادے، قدرت کی مختاری ہے

ڈاکٹر یسین عاطر کی یہ فطانت ہے کہ انہوں نے ستاروں کی چال میں آ کر اپنے حال کو زوال نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے فطری زود رنجی اور زندگی کی بدرنگی کو سوچ کی ست رنگی دھنک سے، خیال سورج کی سرپرستی میں، حرف کے دیپ جلائے ہیں جن حالات میں باجر لوگ اجرام فلکی کی مانند دربدری کاٹتے ہیں، اور اگر وہ تخلیقی جوہر رکھتے بھی ہوں تو محض عکس اور ضو کے گداگر بن کر، کرہ در کرہ خوار ہوتے ہیں مگر ڈاکٹر یسین عاطر نے اپنے ڈھنگ اور اسوہ سے زندگی کے راستے کشید کیے۔ برٹرینڈ رسل نے کہا تھا کہ انسان کو عام طور پر دو طرح کی اخلاقیات کا سامنا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس پر وہ صرف تبلیغ کرتے ہیں، دوسری وہ جن پر وہ خود عمل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر یسین عاطر دوغلی اخلاقیات کے معنی سے واقف نہیں۔ شفافیت اور اور یجنیلٹی ہمیشہ سے ان کے خمیر کا حصہ رہی ہے، سو وہ دہرے معیار اور منافقت سے دور رہتے ہیں۔ عملی زندگی میں وہ نہ تو مصنوعی محبتوں اور رشتوں کے قائل نہیں نہ ان کے حرف و معانی میں اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اظہار فکر میں تنوع اور ندرت خیال کی تازگی ان کے قوت بیان کی لہروں کو مزید تاباں رکھتی ہے۔ یہاں ان کا معمول ہے کہ وہ عمومی خیال اور معمولی حرف سے خصوصیت کے معیار تک پہنچتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا قاری ان کی فکر کے اتنا قریب ہوتا چلا جاتا کہ ان کی آواز کو وہ اپنے دل کی دھڑکن میں محسوس کرتا ہے۔ ان کے ظاہر باطن میں کوئی جھول نہیں اسی لیے شاعری میں ان کی ذات کی مانند کہیں مصنوعی پن نظر سے نہیں گزرا۔

ڈاکٹر یسین عاطر نے روشنیوں کے شہر کراچی سے ایم بی ایس کیا۔ اللہ پاک نے رزق امریکہ سے نصیب میں لکھا تھا۔ امریکہ میں ڈاکٹر صاحب انسانیت کے ایک معروف مسیحا کی حیثیت سے جلد ہی پہچانے جانے لگے۔ میں اس بات پر پورا ایمان رکھتی ہوں کہ سائنس کے لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سے ایسے اہل دانش لوگ دیکھے ہیں جو اپنے سائنسی میدان اور شعری پنڈال، ہر دو میدانوں میں یکساں مقبول ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عاطر کا شمار بھی ان معدودے چند میں سے ہے جو اپنی پہلی تخلیق کے بعد ہی شعری دنیا میں چھا گئے ہیں۔ میں سوشل میڈیا پر ان کے بائیس تیئس ملین فالوورز دیکھ کر حیران ہوں کہ اتنا مقبول آدمی۔ اور عاجزی ایسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی کہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ میں اپنی آنکھوں دیکھا حال سنا رہی ہوں۔ ان کی پہلی کتاب کی پہلی تقریب پزیرائی لاہور پرل کانٹی نینٹل میں تھی۔ میں ایک غیر جانبدار لکھاری کے طور پر ان کو واچ کر رہی تھی۔ اس سے قبل میرا ان سے کوئی تعارف بھی نہ تھا۔ اس تقریب میں جتنے ادیب موجود تھے اس سے تقریباً دوگنا ان کے خاندان کے لوگ تھے۔ وہ ہر کسی کے پاس جاتے، جھک کے ملتے اور فرداً فرداً ان کا شکریہ ادا کرتے تقریب کے آخر میں بھی یہی منظر دیکھنے کو ملا پھر بڑی محبت سے ہر کسی کو کتاب نذر کرتے اور باقاعدہ اپنے سائن سے (جو ایک ادبی اخلاقیات کے زمرے میں آتی ہے) اقربا اور ادیبوں کو پیش کرتے رہے۔ خیر یہ سب تو بر سبیل تذکرہ تھا۔

یہ بات سچ ہے کہ خیال کبھی پرانا نہیں ہوتا، ہو بھی کیسے۔ کیا کبھی انسان پرانا ہوا ہے؟ آدم سے لے کر آج تک ایک ہی فطرت۔ لہٰذا اگر انسان پرانا نہیں تو اس کی نسبت سے خیال بھی قدیم نہیں ہوسکتا ہاں البتہ باقی لوگوں سے الگ انفرادیت کے حامل لوگوں کا اسلوب مختلف ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر یسین عاطرؔ کی اسی خوبی نے ان کو شعری میدان میں لا کھڑا کیا ہے کہ ان کی ڈکشن منفرد ہے۔ انہوں نے کلاسیک خیال کو اپنے انداز سے برت کے معانی کا لبادہ عطا کیا ہے۔ آج کل تو نئے لکھنے والوں نے لایعنیت کی جگالی کو نئے اسلوب کی شاعری سمجھ لیا ہے مگر ڈاکٹر یسین عاطرؔ نے اس رنگ کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا شعری ظاہر باطن بھی ان کی شخصیت کا عکاس ہے۔ انہوں نے اپنے شعری سفر میں اپنے تیقن کا سہارا لیا اور اپنے مجموعے "عشق وسیلہ" کے لیے کسی سینئر استاد کی بیساکھی کا سہارا نہیں لیا بلکہ اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر نوید یوسف سے اس کتاب کی ترتیب لگوائی اور اسی سے نظر ثانی کروائی۔ اس کتاب کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کی ایک دعا شامل ہے:

مرے خدا، مرے لہجے میں عاجزی کر دے
مجھے تو عبد بنا اور متقی کر دے
ترے سوا نہ پکاروں کسی وسیلے کو
تو اس قدر مرے ایماں میں پختگی کر دے

اس خوبصورت نظم میں دعا کے سارے شیڈ موجود ہیں۔ اس میں ہر وہ التجا موجود ہے جو کوئی عاجز، بے بس، بے کس، عبد، خلق یا غلام اپنے آقا و مالک سے با آسانی کر سکتا ہے۔ عشق کو اپنا دین ایمان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ عشق کے ایک تھپیڑے نے میرے اندر ایسی ہلچل مچائی کہ وہاں ایک مستقل کیفیت سے مثبت پن جاگا جس نے میری رگوں کو تیرگی کی کائی سے بچایا۔ یہ عشق ہی ہے جس نے ان کے غموں کو مات دی جس کے نتیجے میں شعری سوتے پھوٹتے چلے گئے۔ اپنے اس شعری تجربے نے ڈاکٹر یسین عاطرؔ کے فکر اور وجدان کو ایسی تراوت عطا کی کہ ڈاکٹر صاحب کی محبت اور احساس کے جادو نے ان کے خیال، فکر اور وجدان کو احساسِ محبت کے سحر میں مقید رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج جس مقام پر کھڑے ہیں، وہ ان تمام شعر باز شعراسے الگ نظر آتے ہیں جو وقتی شعری شبدہ بازی سے جل کر بجھ جاتے ہیں۔

"عشق وسیلہ" میں کل (97) غزلیں، تیئس فردیات اور گیارہ قطعات ہیں۔ اس کتاب میں کوئی نظم شامل نہیں ہے۔ ان کو نظم کا کوئی دعویٰ بھی نہیں وہ خود بھی کہتے ہیں کہ میں غزل کا شاعر ہوں۔ یہ بیانیہ پڑھنے والے پر ڈاکٹر یسین عاطرؔ کی سادگی اور سچائی کی گرہیں وا کرتا چلا جاتا ہے اور دوسرا یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب انتہائی روانی اور سلاست سے کلام کرتے چلے جاتے ہیں انہیں رک رک کر ایک ایک مصرعے کے لیے ہلکان نہیں ہونا پڑتا جس طرح ہمارے بہت سینئر شاعر بھی اس مشکل میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور بڑے فخر اور رعونت سے بتاتے نہیں تھکتے کہ انہوں نے ایک ایک شعر کے پیچھے کتنا سفر کیا۔ یہ خداداد صلاحیت کسی کسی کو ودیعت ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ شعری و فکری ہما، ڈاکٹر یسین عاطرؔ کے سر پر محوِ عنایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنی سورج صفت محبت کے حلقوم سے لفظوں کو روشناس کراتے ہیں تو الفاظ کا سارا کھرد را پن ان مول ہلکی ہلکی شیریں کسک میں در آتا ہے۔ اس طرح جتنا لطف شعر تخلیق کرنے میں آتا ہے اتنا ہی قاری کو مزہ دیتا ہے۔

ڈاکٹر یسین کوئی جز وقتی اور حادثاتی شاعر نہیں بلکہ وہ کل وقتی اور جمالیاتی شاعر ہیں۔ اپنے اس تخلیقی جوہر سے انہوں نے اپنے زمانہ طالبعلمی میں بھی بہت نام کمایا تھا۔ خاص کر ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی میں میڈیکل کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا شغل پورا کرتے۔ اپنے زمانہ طالبعلمی کے کیریئر میں اردو ادب کی محفلیں ان کی موجودگی میں کشت زعفران رہتیں۔ اسی دوران انہوں نے بہت سے شعری مقابلہ ہائے جات اور بیت بازی کی مسابقت میں نام کمایا۔ اگر وہ کراچی میں ہی رہ جاتے تو آج وہ فاطمہ حسن، جاوید صبا اور صابر ظفر کے ساتھ چل رہے ہوتے۔ ڈاکٹر یاسین عاطرؔ، سول ہسپتال کراچی میں جب روزگار کی جنگ جاری نہ رکھ سکے تو امریکہ چلے آئے قدرت کو یہی منظور تھا۔ جہد مسلسل کو وہ عبادت سمجھتے رہے۔ پڑھائی، شاعری اور نوکری کو ہم رقاب کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے جاتے ہیں مگر اس سب کے باوجود ارض پاک کی زنجیر پاؤں سے باندھ رکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

وقت گر پاؤں کے نیچے سے زمیں کھینچ بھی لے
دیس کی خاک سے رشتہ تو نہیں ٹوٹے گا
جس میں بستے ہیں ترے چاہنے والے عاطرؔ
تیری پرواز سے وہ شہر نہیں چھوٹے گا

اپنی زمین سے جڑت کی ایک اور خوبصورت مثال دیکھیے:

دل اب بھی مرا کوچۂ دل بر میں پڑا ہے
تم لوگ مری نقل مکانی پہ نہ جانا

ان کی کامیابیوں کی روشنی اور سعی ناتمام کبھی تمام نہیں ہوتی۔ وہ اپنی خانگی، سماجی اور پروفیشنل لائف، سب میں کامیاب ہیں۔ اس وقت ایک جانب تو وہ فزیشن میڈیسن کے سینئر استاد اور ریسرچر کے طور پر مانے جانے جاتے ہیں تو دوسری طرف وہ کیلیفورنیا یونیورسٹی میں کلینیکل میڈیسن کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ بندہ خاکی کو جس بیماری سے بہت زیادہ سابقہ پڑتا ہے وہ معدہ آنت کی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ریسرچ کے میدان میں اگر دیکھا جائے تو صرف امریکہ ہی کیا پوری دنیا میں ڈاکٹر یسین عاطرؔ کے نام کے ڈنکے بجتے ہیں۔ یوں ڈاکٹر یاسین عاطرؔ ذہنی بالیدگی کے ساتھ ساتھ معدہ و آنت کی بالیدگی کا بھی باعث بنتے ہیں۔

جہاں لوگ شاعری کو صرف کلامِ موزوں کے پینڈے میں مقید کر دیتے ہیں وہاں کچھ صاحب ہوش تخلیق کار اپنے اس کارِ فہم کو اپنے احساسات، مشاہدات، تجربات، پیشے، مقامِ ہجرت، مقامِ سکونت اور رشتوں کے بندھن سے جوڑ کر نمایاں ہوتے ہیں۔

❁❁❁

# فیک نیوز: جھوٹے بول میں جادو ہے

تحریر: عفت حسن رضوی

وطن کے نونہالوں کو بچوں کے رسالوں نے کئی دہائیوں تک سکھایا کہ 'میٹھے بول میں جادو' اس میجک پہ کئی کتب بھی لکھی گئیں۔ لیکن ہمیں سوشل میڈیا نے دو چار برسوں میں سمجھا دیا کہ جھوٹے بول میں جادو ہے۔

جھوٹ کی طاقت یہ ہے کہ وہ انسان سے سچ دیکھنے، سچ سننے اور سب کچھ دیکھ سن کر بھی سچ ماننے کی صلاحیت چھین لیتا ہے۔

جھوٹ خود کو منوانے کے لیے ہر وہ ہتھکنڈا استعمال کرتا ہے جس سے سچ کی نفی ہو۔ جھوٹ خود کو لگی لپٹی میں چھپالے گا، بھیس بدل بدل کر سامنے آئے گا۔ جھوٹ کو سوانگ رچانے آتے ہیں کچھ بعید نہیں کہ وہ سچ کا روپ دھار لے۔

سچ اکھڑ مزاج ہے، منہ سے نکلے تو مانو آگ برس رہی ہے۔ جنھوں نے سچ کا ذائقہ چکھا وہ کہتے ہیں سچ کڑوا ہوتا ہے۔ اسی لیے کم کم ہی برداشت ہوتا ہے۔

جھوٹ اور ریاکاری کی میٹھی گولی کے کیا کہنے، آدمی پر فیکشن کے ساتھ جھوٹا ہو تو جھوٹ بولتے ہوئے منہ سے پھول جھڑتے ہیں اور آنکھیں یقین کی آخری منزل پہ ہوتی ہے۔ بندہ جھانسے میں آ ہی جاتا ہے۔

اور جھانسے میں کیوں نہ آئیں ہم سست لوگوں کو سچ جاننے کے لیے دقت اٹھانی پڑتی ہے، جھوٹ کا کیا ہے اسے تو پلیٹ میں سجا سنوار کر پیش کیا جاتا ہے۔

ہر دور نے سچ اور جھوٹ کی جنگ دیکھی ہے، لیکن گھمسان کا رن تو سوشل میڈیا کے آنے کے بعد پڑا ہے۔ کبھی سچ کو ایسی پٹخی ملتی ہے کہ وہ دور پڑا زخم سہلا کر خود کو اٹھا رہا ہوتا ہے، کبھی جھوٹ کو ایسی ہزیمت اٹھانی پڑتی ہے کہ کچھ دن کے لیے منہ چھپائے پھرتا ہے پھر تگڑا ہو کر سامنے آجاتا ہے۔

سچ اٹل ہے، یہ عیاری اور مکاری کے مکے کھا کر بھی اپنی جگہ جما رہتا ہے۔ اپنے حق ہونے کا احساس تفاخر ہوتا ہے اسے جھکنے نہیں دیتا۔ سچ کی اکڑفوں یہ ہے کہ بولنے والے کا لہجہ خواہ مخواہ ہی دوٹوک ہو جاتا ہے۔

جھوٹ مودب ہوتا ہے، یہ آپ کے سامنے ہاتھ باندھے آئے گا۔ کوئی تمیز کا دامن تھام کر، جھک کر، آپ کے پاوں چھو کر چکنی چپڑی جھوٹی بات بولے گا تو نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ایک بار اسے سنیں گے ضرور۔

سچا آدمی یہ سوچ کر مار کھا جاتا ہے کہ سچ تو سچ ہے اسے دل پذیر بنانے کی جتن کیوں؟ حقائق، اعداد و شمار کے ساتھ، تمام شواہد اور ثبوتوں کے ہمراہ جب کوئی سچی خبر نیوز چینل یا اخبار رسالوں میں آتی ہے تو اس کی رعنائی، زیبائی یعنی پریزنٹیشن صرف اس کا سچا ہونا ہوتا ہے۔ ادھر جھوٹ کی رنگا رنگی بے مثل ہے۔ معصوم نئے چہروں کا لبادہ، انداز ہ سادہ، ٹیکنالوجی کے تڑکے کے ساتھ، یہاں وہاں سے اٹھائی تصاویر جوڑ کر، دھم دھم کرتی پلے بیک موسیقی کی ہمنوائی اور موٹے موٹے حروف میں لکھا ہو 'پردہ فاش'۔ اب پردے کے پیچھے کیا ہے یہ تو ہر کوئی دیکھنا چاہے گا۔

سچ بیچارے کو پیش کرنے والے بھی بور ٹم ہی ملتے ہیں۔ یہ عموماً صحافی ہوتے ہیں جو حقائق بتاتے ہوئے اتنا بور کرتے ہیں کہ بندہ اخبار پہ پکوڑے رکھ لیتا ہے اور چینل بدل دیتا ہے۔ یہ صحافی جب تاریخی حوالے، پچھلے دعوے، بیانات اور اصل دستاویزات کے پلندوں کے ساتھ سچ بتانے لگتے ہیں تو اچھے اچھوں کو نیند آجاتی ہے۔

ادھر یوٹیوب اور سوشل میڈیا پر جھوٹ کا تاج محل بنانے والے دلچسپی کی ساری حشر سامانیاں لیے بیٹھے ہیں۔ یہ ہر دوسرے منٹ میں پردہ چاک کرتے ہیں، یہ دیکھنے والے کو دنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ بلی کے بچے کی سی معصوم صورت بنا کر جب فیک نیوز سناتے ہیں قسم سے دیکھنے والے کو یقین کے ساتھ پیار بھی آجاتا ہے۔

سچ کو یہ گمان ہے کہ اسے تشہیر کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک ایک کے آگے روتا گاتا نہیں کہ مجھے مانو میں ہی سچ ہوں۔ ادھر جھوٹ کے تو پاوں ہی اس کی مشہوری پہ ٹکے ہوتے ہیں۔ جھوٹا اس پر ایمان رکھتا ہے کہ جھوٹ اتنا بولو کہ وہ سچ لگنے لگے۔

مشاہدہ کرلیں جب کسی شری طاقت کو جھوٹ کی مدد درکار ہوتی ہے وہ اخبار، ٹی وی، سوشل میڈیا، مشہور افراد کا میڈیم استعمال کرتا ہے۔

جھوٹ کو سینہ بہ سینہ پھیلایا جاتا ہے، کہانیاں گھڑ کر اسے یادگار بنایا جاتا ہے، اسے روایات اور ثقافتی اقدار کا حصہ قرار دیا جاتا ہے، جعلی وڈیوز اور تصاویر سے جھوٹ میں حقیقت کا رنگ بھرا جاتا ہے۔ مذہب اور حب الوطنی کا لباس پہنا کر اسے جذبات سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

سچ کتابوں، اخباروں، کاغذوں اور سچے لوگوں کے سینوں میں پڑا اس نگاہ کا منتظر ہوتا ہے جسے حق کی تلاش ہو۔

اگر آپ کچی عمر کے نوجوان ہیں، ابھی سیاسی اور سماجی رائے بنا رہے ہیں تو یاد رکھیں جھوٹ اتنی مشقت آپ کے لیے ہی کر رہا ہے۔ جھوٹ فیک نیوز، پروپیگنڈا، یوٹیوب وڈیوز، سوشل میڈیا مخالف مہم، ٹرولنگ، ٹرینڈز کی شکل میں ہر دم آپ کے سامنے رقصاں ہے۔

اگر آپ کی عمر تجربات کی چکی میں پس چکی، آپ نے دنیا دیکھ رکھی ہے، زعم ہے کہ آپ سچ اور جھوٹ، حقیقت اور پروپیگنڈے میں فرق جانتے ہیں تو یقین کیجیے ابھی آپ سوشل میڈیا دور کے جھوٹ اور اس کی طاقت سے آشنا ہی نہیں۔ جھوٹ کا شر اس قدر طاقتور ہے اسے پچھاڑنے کے لیے حق سچ کو اپنے بہترین جاں نثار میدان میں لانے پڑے۔ سچ کے سپاہی انبیا، اولیا، امام، ملنگ، صوفی، سائنس دان، عالم، باغی، صحافی، قلم، روشنائی، کاغذ اور کتاب ہیں۔ کہیں آپ کس کے ساتھی بننا پسند کریں گے؟

❁❁❁

# ماں بنی تو ماں کی قدر نہ کرنے کا پچھتاوا

تحریر: ڈاکٹر ارم حفیظ

ماں جو میری دوست بھی ہے اور ہم راز بھی۔ محسن بھی ہے اور ناقد بھی۔ میرے وجود کی ابتداء سے ظہور کے ارتقاء تک ایک ماں ہی کا ساتھ تو تھا جو میرے ہونے کا سبب بنا۔

اس کے رت جگے میری نیند سے عبارت رہے، اس کا خون جگر، میری رگوں میں زندگی بن کر دوڑتا رہا۔ وہ ماں ہی تو تھی جس نے میری قلقاریوں کو معنی پہنائے، میری لڑکھڑاہٹ کو چال اور میرے بھولپن کو شعور کی دہلیز تک انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ میرے ناتواں اور کمزور جسم کو اپنے شانوں پر سہارے دیتی اور مضبوط بناتی۔

لیکن پھر میں بڑی اور سب کچھ سمجھنے والی ہو گئی، اور جس ماں نے میرے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا وہی ماں مجھے سن جوانی تک پہنچتے پہنچتے اپنی خوشیوں کی دشمن اور ولین لگنے لگی۔

لیکن وہ تو نتائج سے بے پرواہ ہو کر دیوانہ وار خدمت پر یقین رکھتی ہے، اس لیے ہر بات پر روک ٹوک، ہر قدم پر پہرہ سے متعلق میرے شکووں اور میری تمام تر بے رخی اور خفگی کے باوجود وہ مجھے زمانے کے سرد و گرم سمجھاتی رہی، اونچ نیچ دکھاتی رہی، لیکن میں بات سمجھنے کے بجائے ہمہ وقت کڑھتی رہی، لڑتی رہی کہ 'ماں کا آخر مسئلہ کیا ہے؟ انہیں میرے جذبات کا احساس کیوں نہیں؟' میں اکثر جراح کرتی تاوقتیکہ میں خود ماں بن گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ہرگز ہرگز لائق و فرمانبردار اولاد نہ تھی۔ ایک حسین، گھریلو اور سلیقہ مند ماں کی ایک باغی، مہم جو اور پڑھا کو بیٹی، جس کے آئیڈیل اس کے والد تھے۔ ماں کے مقابلے میں، میں نے اکثر اپنے والد کو اہمیت دی۔ اسکول سے کالج، کالج سے یونیورسٹی اور بعد ازاں پیشہ ورانہ زندگی میں بھی میں نے اپنے ابو کو اپنی کامیابی کا منبع اور مہمیز سمجھا اور انہی کی تقلید کی جنہوں نے میرے خوابوں کے آگے زمانے کے رسم و رواج اور حدود و قیود کو ہیچ جانا۔

رات گئے کبھی کبھار امتحانات کی تیاری کرتے ہوئے، ابو کے ہاتھ کی گرما گرم چائے اور اول نوکری کی پہلی صبح ان کے ہاتھ کے بنے ناشتے کا ذائقہ اور لطف دل و زبان پر گویا ثبت ہو گیا ہے۔ ایسے میں ماں کے ہاتھوں سے کھائے ان گنت لقمے، ذائقے، میرے لئے اس کی آنکھوں سے بہتے بیش بہا آنسو، دعائیں، دلار اور پیار، جسے میں ماں کا فرض اور اپنا حق سمجھ کر تادیر معمول گردانتی رہی۔ تاہم ماں کی اہمیت کا ادراک مجھے شدت کے ساتھ تب ہوا جب میں نے اپنے آس پاس کئی بالغ بچوں کو ماں کو کھونے کے بعد آس کے لیے سسکتے اور بلکتے دیکھا۔ اس پر مستزاد ماں کی زندگی میں اس کی قدر نہ کرنے کا دکھ، جو انہیں ہر دم کچوکے لگاتا رہتا ہے۔ ایسے میں کچھ بدنصیب ایسے بھی دیکھے جنہیں بکھرتے گھروندوں، ٹوٹتے رشتوں اور مال و عیال کی چاہت نے اپنی جنت سے دور کر دیا اور جو ماں کے ہوتے ہوئے بھی ایک بے سمت، بنا سورج، بھٹکتے سیارے کی مانند خلاء میں ڈولتے پھرتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ماں کا سایہ زندگی کے تپتے صحرا میں غنیمت ہے۔ بن ماں کے پلنے والے بچوں کا کھوکھلا پن اور ٹوٹ پھوٹ وہ ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا ہے جس کا ازالہ زندگی بھر ممکن نہیں ہوتا۔ بقول عصمت چغتائی کہ 'ماں کی ممتا سے محروم بچوں کی کج روی عمر بھر اس ٹیڑھی لکیر کی مانند ہوتی ہے جسے جلد بازی میں کھینچ دیا گیا ہو۔ ایک حالیہ تحقیق کے مطابق، ماں کو کھونے والے اکثر مرد حضرات اپنی بیوی اور بڑی بہنوں میں ماں تلاش کرتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ماں جیسی ہستی کا تو کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اس عظیم ہستی کی قدر کریں، اس کی بیماری میں صحت اور کمزوری میں طاقت بنیں جبکہ تنہائی میں اس کی دل جوئی کریں تا کہ اسے احساس ہو کہ آپ کی پرورش ماں کے لیے محض گھاٹے کا سودا نہیں تھا اور اس کی تربیت رائیگاں نہیں گئی۔ سو آج کا دن تمام ماؤں کے نام۔ آج طے کر لیں کہ زندگی میں اگر آپ نے کبھی بھی ماں کا دل دکھایا ہے تو اُس کو پکڑ لیں، معافی مانگ لیں، اور یہ طے کر لیں کہ زندگی میں کبھی ایسا موقع نہیں آنے دیں گے جب آپ کو اپنے کیے پر پچھتاوا محسوس ہو۔

❁❁❁

# مضامین میں مذہبی مواد کی موجودگی یکساں قومی نصاب کا حصہ نہیں

تحریر: اے ایل جان

پاکستان میں تدریسی نصاب بنانے کے ذمہ دار ادارے نیشنل کریکولم کونسل کی ڈائریکٹر ڈاکٹر مریم چغتائی نے واضح کیا ہے کہ اسلامیات کے علاوہ دیگر مضامین میں مذہبی مواد کی موجودگی نہ تو یکساں قومی نصاب (سنگل نیشنل کریکولم) کا حصہ ہے اور نہ ہی اس کا یوں شامل کیا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ ماضی میں جنرل نالج کے مضمون میں مذہبی مواد موجود تھا، جسے یکساں قومی نصاب کی تیاری کے دوران اس مضمون سے نکال دیا گیا۔

ڈاکٹر مریم چغتائی منگل کی رات وفاقی وزارت اطلاعات ونشریات کے ڈیجیٹل میڈیا ونگ کے زیر اہتمام ایک ویبینار سے خطاب کر رہی تھیں، جس میں ان سے یکساں قومی نصاب سے متعلق کئی سوالات پوچھے گئے۔

پاکستان تحریک انصاف کی وفاقی حکومت کے فیصلے کے تحت نیشنل کریکولم کونسل نے پورے ملک کے تعلیمی اداروں کے لیے یکساں قومی نصاب بنانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

رواں برس اگست سے شروع ہونے والے تعلیمی سال میں ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں پہلی سے پانچویں جماعت کے طلبہ کو یکساں قومی نصاب پڑھایا جا رہا ہے جبکہ بڑی کلاسز کے نصاب کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ویبینار میں پہلا سوال 'بولو جوان' کی چیف ایگزیکٹو اریبہ شاہد نے کیا اور انہوں نے ڈاکٹر چغتائی سے یکساں قومی نصاب کے متعارف ہونے کے بعد درسی کتب میں مذہبی مواد کی زیادہ موجودگی کے بارے میں استفسار کیا۔

اریبہ شاہد نے اپنے سوال میں مثال دیتے ہوئے کہا کہ ریاضی اور سائنس کی کتابوں میں بھی مذہب اسلام کے حوالہ جات استعمال کیے گئے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر مریم چغتائی نے وضاحت کی کہ نیشنل کریکولم کونسل نے یکساں قومی نصاب ترتیب دیا ہے، نہ کہ کتابیں، جو اس نصاب کو سامنے رکھ کر مصنفین لکھتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ کتابوں کے مصنفین مختلف لوگ ہوتے ہیں اور ایک ہی مضمون کی ایک سے زیادہ کتب بھی ترتیب دی جا سکتی ہیں۔

ان کا کہنا تھا: 'مصنفین کا اپنا ایک ورلڈ ویو اور نظریہ ہو سکتا ہے، جس کے باعث بعض جگہوں پر ایسی مثالیں سامنے آ رہی ہیں۔'

انہوں نے کہا کہ یکساں قومی نصاب ایک تعلیمی معیار کا نام ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی جماعت میں طالب علموں کو کم سے کم کیا سکھایا جانا چاہیے اور ہر صوبہ، علاقہ یا سکول سسٹم اس معیار کے تحت اپنی کتب ترتیب دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ اریبہ شاہد نے ڈاکٹر چغتائی کی توجہ یکساں قومی نصاب کے تحت چھپنے والی ایک کتاب کی طرف دلوائی، جس میں مسجد کا 'احترام' اور دوسرے مذاہب کا 'لحاظ' کرنے کا ذکر تھا۔

جسے ڈاکٹر چغتائی نے غلطی تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ انہیں آنے والے وقت میں یکساں قومی نصاب کے جائزے کے وقت درست کر دیا جائے گا۔

اریبہ شاہد نے یکساں قومی نصاب کی کتب میں مذہب اسلام کے تہواروں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے خوشیوں کے مواقعوں کے ذکر کی تعریف کی۔

ڈاکٹر چغتائی نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ کسی مذہب کی تعلیم دینے کے لیے صرف اسی مذہب کے حوالے استعمال کیے جا سکتے ہیں جبکہ بچوں کی کردار سازی کسی بھی مسلمان یا غیر مسلمان شخصیت کے متعلق پڑھا کر کر سکتے ہیں۔

'نماز اور روزے کے طریقے عبادات ہیں اور یہ پڑھاتے ہوئے صرف مذہب اسلام سے ہی حوالہ جات استعمال ہوں گے، لیکن صلیبی جنگیں پڑھانے سے نہ کوئی بچہ عیسائی مذہب اختیار کرے گا اور نہ اشوکا کے متعلق بتانے سے کوئی بدھ ہو جائے گا۔' لیلیٰ طارق نے ایک سوال کے جواب میں پوچھا کہ 'مذہبی مدارس کو یکساں قومی نصاب مکمل طور پر نافذ کرنے کے لیے چھ سال کا عرصہ کیوں دیا گیا ہے؟'

جس پر ڈاکٹر مریم چغتائی نے بتایا کہ مدارس کے 35 سے 40 لاکھ طالب علم پہلی مرتبہ کچھ بالکل نئے مضامین پڑھیں گے جبکہ کچھ مضامین وہ انگریزی میں بھی پڑھیں گے، جو ان کے لیے بہت بڑی تبدیلی ہو گی۔ 'ایسی صورت حال میں مدارس کو اس سب کے لیے بہت بڑی سطح پر انتظامات کرنا ہوں گے اور اس میں وقت درکار ہو گا۔'

انہوں نے مزید کہا کہ مذہبی مدارس کی نمائندہ تنظیم یکساں قومی نصاب کے نفاذ کے سلسلے میں پوری طرح متفق ہے، تاہم انہوں نے اس مقصد کے لیے وقت مانگا ہے، جو بالکل جائز ہے۔ ڈاکٹر مریم چغتائی کا کہنا تھا کہ یکساں قومی نصاب تو آ گیا ہے لیکن ملک میں یکساں اور یکساں معیار قائم کرنے میں 10 سے 15 سال لگ سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ یکساں قومی نصاب کے مطابق پڑھانے کے لیے اساتذہ کی تربیت کا سلسلہ بھی ملک بھر میں شروع ہو چکا ہے، تاہم یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور اس پر وقت لگے گا۔

انہوں نے کہا کہ پہلے سال کے دوران سکولوں کو رعایت دی گئی ہے کہ اگر طالب علم کو بنیادی تصور کی سمجھ آ گئی ہے تو ضروری نہیں کہ اس کا روایتی انداز میں امتحان لیا جائے۔ 'استاد مختلف طریقوں سے بچے کی استعداد اور تصورات کی وضاحت کا اندازہ لگا کر طالب علموں کو اگلی جماعت میں ترقی دے سکتے ہیں۔'

نیشنل کریکولم کونسل کی سربراہ نے کہا کہ آئندہ چند دنوں میں ان کا ادارہ یکساں قومی نصاب پر معاشرے کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے فیڈ بیک لے گا۔

'اس میں ہم والدین، اساتذہ، ماہرین، سکول مالکان اور ہر کسی سے فیڈ بیک چاہیں گے تاکہ یکساں قومی نصاب کو مزید بہتر بنایا جائے۔' انہوں نے بتایا کہ اگلی جماعتوں کے لیے بنایا جانے والا نصاب صرف ماہرین کی نگرانی میں بنے گا اور وزارت تعلیم کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ ❀❀❀

# صنفی جرائم: ہمیں دقیانوسی خیالات سے جان چھڑانی ہوگی

نورمقدم کے سفاکانہ قتل کے بعد سامنے آنے والی صورتحال بالکل ویسی ہی ہے جیسی صنفی بنیاد رکھنے والے کسی بھی ہائی پروفائل کیس کے بعد سامنے آتی ہے۔

انٹرنیٹ استعمال کرنے والے عوام، دانشوروں اور ریاستی اشرافیہ کے ایک گروہ جن کی اکثریت مردوں پر مشتمل تھی، انہوں نے اس قسم کے سانحے پر روایتی تجزیے اور حل بیان کرنا شروع کر دیے۔ اس قسم کا ردِعمل صنفی حقوق کے کارکنوں اور اداروں کی جانب سے آواز اٹھانے اور غصے کے اظہار کے بعد مزید تیز ہوجاتا ہے۔

آخر وہ کون سے نکات ہیں جن کا یہ افراد اتنے تواتر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں؟ پہلا نکتہ تو صنفی تشدد کی بنیاد کو کسی طرح کی ثقافتی مغربیت میں تلاش کرنا ہے۔ اس کے پیچھے خیال یہ ہے کہ لوگ (خاص طور پر خواتین) جب مغرب کے صنفی حقوق، آزادی، تحرک اور نظریات کو اختیار کرتی ہیں تو ان کے صنفی تشدد کا شکار ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک بات وزیرِاعظم نے بھی کہی کہ جو لوگ مغربیت (یا یوں کہیے کہ جنسیت پر مبنی تفریح) سے متاثر ہوتے ہیں وہ اپنے بنیادی جذبات کے مطابق زیادہ عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے جنسی جرائم کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

اس نکتے میں موجود (کسی حد تک) واحد درست بات یہ احساس ہے کہ صنفی بنیاد پر ہونے والے تشدد کا نقطہ آغاز ثقافتی اور معاشرتی رجحانات ہوتے ہیں۔ تاہم یہ بات صرف اس حد تک درست ہے کہ کسی بھی معاشرے کے مختلف گروہ ایک دوسرے کو کس طرح دیکھتے ہیں اور ان کے نزدیک وہ دوسروں کی زندگیوں پر کیا حق رکھتے ہیں۔ یہ کسی بھی مشرقی، مغربی، جدید یا روایتی ثقافت کا مرکزی پہلو ہوتا ہے۔

اس بنیادی پہلو کو آگے بڑھا کر اسے ہوس پرست مردوں اور ان خواتین کی کمزوری کے درمیان ایک تقریباً حیاتیاتی تعلق تک پہنچا دیا جاتا ہے کہ جو معاشرے میں رائج رجحانات کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تاہم اس کی بنیاد پر سماجی رویوں کا کوئی تجزیہ موجود نہیں ہوتا۔

خواتین کے خلاف تشدد اکثر مختلف ثقافتی اقدار کی وجہ سے ہوتا ہے جنہیں عموماً 'مغرب زدہ' کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے تجزیے کرنے والوں کی جانب سے پیش کیے جانے والے حل بھی کسی طور پر معقول نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک اس کا حل خواتین کی موجودگی کو ہی محدود کر دینا، انہیں قید رکھنا اور ان کی حرکات پر نظر رکھنا ہے۔ یہ حل دراصل نجی زندگی میں موجود تشدد اور ظلم و زیادتی کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور اس مسئلے کے حل کے لیے خواتین کی ریاست تک رسائی کو بھی اہمیت نہیں دیتے۔

یہ رجحان بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ خواتین کی جانب سے ظاہر کیے جانے والے غم و غصے کے جواب میں لوگ اپنی صنفی ذمہ داری کو ہی بھلا دیتے ہیں۔ عموماً یہ رجحان کئی چیزوں میں نظر آتا ہے۔ اس میں ناٹ آل مین یا پھر صنفی تشدد پر آواز اٹھانے پر 'مغربیت' کے حامل فیمن ازم یا عورت مارچ پر حملے کرنا بھی شامل ہوتا ہے۔ شعوری طور پر تشدد کو معاشرے میں رائج رجحان (جس کی تصدیق بھی جاسکتی ہو) کی جگہ ایک الگ تھلگ واقعہ ثابت کرنے کی کوششیں بھی اسی کا ایک مظہر ہیں۔

اس رجحان کی ایک وجہ تو تشدد کے ساتھ وابستہ کیے جانے پر ہونے والا ناگوار احساس ہوتا ہے اور دوسری وجہ اس ذمہ داری سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہوتا ہے جس کے تحت مردوں کو ثقافتی اقدار پر عمل کرنا ہوتا ہے اور ایسا نہ کرنے سے جو طاقت کا عدم توازن جنم لیتا ہے وہ پھر تشدد کا باعث بنتا ہے۔

اس کی وجہ دراصل یہ بات سمجھنے میں ناکامی ہے کہ ایک فرد معاشرے کے ایک گروہ میں کس طرح کام کرتا ہے اور سماجی قوتوں (جیسے کہ موجودہ خیالات اور ثقافتی اقدار) کے زیرِاثر رہتے ہوئے بھی وہ اپنے ذاتی افعال کو اسی طرح کیسے پیش کرتا ہے۔ تو جب خواتین یہ کہتی ہیں کہ All Men تو دراصل ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں موجود صنفی عدم توازن ایک حقیقت بن چکا ہے اور اسے برقرار رکھنے میں تمام مردوں کا کردار ہے۔ کچھ مرد اس کا اظہار کھلے عام تشدد سے کرتے ہیں تو کچھ خواتین کے ساتھ گھر میں اور کام کی جگہوں پر امتیازی سلوک روا رکھ کر، ان پر پابندیاں عائد کر کے اور دقیانوسی خیالات کو برقرار رکھ کر اس کا اظہار کرتے ہیں۔

ایک تیسرا رجحان وہ ہے جس میں صنفی بے چینی کو قوم پرستی کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی خواتین کی جانب سے اٹھنے والی آوازوں کو خاموش کروانا ہوتا ہے۔ اس رجحان کے حامل افراد یہ بیانیہ پیش کرتے ہیں کہ صنفی نوعیت کے جرائم تو پوری دنیا میں ہوتے ہیں اور پاکستان کی روایات تو دراصل عورت کو تحفظ فراہم کرتی ہیں، اسکینڈینیویا میں بھی اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں اور پاکستان میں خواتین کے تحفظ کے بارے میں خدشات کا اظہار دراصل شعوری طور پر ملک کی ساکھ خراب کرنے کی کوشش ہے۔ اس رجحان کی وجہ دھوکہ دہی اور ملکی حالات (اور دنیا بھر کے حالات) سے مکمل ناواقفیت ہے اور پاکستانی مرد ان دونوں کا شکار ہیں۔

اس بات کو سمجھیے کہ جو پاکستانی ملک میں ہونے والے صنفی جرائم اور عدم مساوات پر پریشان ہوں گے وہ پاکستان کی ہی بات کریں گے۔ نورمقدم جیسے واقعے کے بعد ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ وانواتو، ایکواڈور یا ناروے میں کیا ہو رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ پاکستان صنفی مساوات کے اشاریوں میں تواتر کے ساتھ نچلے درجوں میں رہتا ہے۔ عالمی مالیاتی فورم کی 2021ء کی جینڈر گیپ رپورٹ میں پاکستان کا نمبر 156 ممالک میں سے 153واں تھا۔ اس رپورٹ میں معاشی مواقع، سیاسی شراکت اور تعلیم و صحت کی سہولیات تک رسائی شامل ہوتی ہے۔ اسی طرح اقوام متحدہ کے جینڈر ڈیولپمنٹ

انڈیکس میں بھی پاکستان کا نمبر 166 ممالک میں 163واں ہے۔
ضرورت سے زیادہ محب وطن افراد چاہیں تو اسے ملک کے خلاف مغربی سازش ہونے اور اس حوالے سے آواز اٹھانے والوں پر مغرب سے پیسے لینے کا الزام لگا سکتے ہیں۔
لیکن ایسے افراد کو ان حقائق کو جھٹلانے کے لیے ابھی مزید کوشش کرنا ہوگی کہ پاکستان میں خواتین روزانہ کی بنیاد پر خود کو غیر محفوظ تصور کرتی ہیں۔ یہاں پر صنفی جرائم کے مجرم اکثر سزا سے بچ جاتے ہیں، یہاں شہری معیشت میں خواتین کی شراکت بہت ہی کم ہے ساتھ ہی یہاں خواتین اور مردوں کو ملنے والی اجرت بھی مساوی نہیں ہے اور یہ کہ یہاں زچگی کے دوران ہونے والی اموات کی شرح مجرمانہ حد تک زیادہ ہے۔ واضح طور پر یہ حقائق ایک ایسے ملک کا نقشہ کھینچتے ہیں جہاں کی ریاست اور معاشرہ اپنی خواتین کی بالکل فکر نہیں کرتا۔
موجودہ حالات میں نور جیسی خواتین کو انصاف کی فراہمی کا راستہ بہت طویل اور دشوار گزار ہے۔ اس کے لیے ہمارے نظامِ انصاف کو اپنی ساخت کے برعکس کام کرنا ہوگا۔
لیکن مستقبل میں اس سعی کے خاطر خواہ نتائج کے حصول کے لیے ہمارے معاشرے کو بھی افسانوی رجحانات سے جان چھڑانی ہوگی۔ (منقول)

## تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

### امتہ الرشید بدر

میں نے خود کو کبھی جب تنہا اکیلا پایا
کون ہے جس کو کہ نزدِ رگِ جاں ہی پایا
جس نے ہر درد میں ہر دکھ میں میرا ساتھ دیا
کون ہے آہ کو سُن کر وہ جو دوڑا آیا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

جس سے خورشید کی کرنوں نے بکھرنا سیکھا
اپنی حدت سے نمو ہستی کی کرنا سیکھا
اور قوت بھرے نوروں کی بدولت پل پل
ہر گزرگاہِ جہاں فیض سے بھرنا سیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

کون جو سوچوں خیالوں پہ دل و روح پہ چھایا
جو میری جان میرا مان میرا دھن میری مایا
جب کبھی درد و غم ہم نے تھا بے تاب کیا
اُس کی شفقت کا ہی محسوس کیا سر پہ سایا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

نور جس یاد سے تھا دل پہ اُترتا پایا
جس کے انفاس سے عالم کو مہکتا پایا
جس کی تخلیق پہ جب حسن پہ جب غور کیا
خوبروئیوں میں تھا اُس حُسن کا چرچا پایا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

جس سے افلاک نے طاعت ہی تھا کرنا سیکھا
چاند تاروں کی قبا اوڑھ سنورنا سیکھا
جس کے اسرار عیاں کر کے جہاں والوں پر
عالم اسرار سے انوار سے بھرنا سیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

جس کی حکمت کے بحر جاری ہیں دو عالم میں
نام ہے نامۂ فطرت کے ہر اک کالم میں
جس کی طاعت کا ہی دم بھرتے ہیں سب کرّوبیاں
جو حسیں جذبوں کی صورت ہے دلِ عالم میں
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

گُلِ نوخیز نے جس سے تھا نکھرنا سیکھا
کون ہے جس سے کہ غنچوں نے چٹکنا سیکھا
جس کی خوشبوؤں سے مہکی ہیں فضائیں ہر سُو
جس کے ایماء سے ہی کلیوں نے مہکنا سیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

جس سے تھا ابر نے باراں نے برسنا سیکھا
اور سیراب جہاں فیض سے تھا کرنا سیکھا
یوں زمیں مردہ نے جی اُٹھنے کی انگڑائی لی
پھر خزاں نے تھا بہاروں میں بدلنا سیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

ہم نے ہر درد کی جس کو تھا دوا کرنا سیکھا
جس کی جانب غمِ ہستی سے تھا چلنا سیکھا
گالیاں کھائیں پٹے خوب ہی رسوا بھی ہوئے
تب اُسی در کو پناہ گاہ تھا کرنا سیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

چاند نے جس سے اُفق سے تھا ابھرنا سیکھا
نُور سے شب کو منوّر بھی تھا کرنا سیکھا
حسن سے اپنے ہر آنکھ کو تسکین دے کر
عکس عالم میں اجاگر تیرا کرنا سیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

حسن پر جس کے تھا ہر دل نے مچلنا سیکھا
ان حسیں جذبوں نے اُلفت میں تھا ڈھلنا سیکھا
عام الفت بھرے جذبات ہوئے دنیا میں
جس کی اُلفت سے ہی اُلفت نے پنپنا سیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

جس کا بندے کی حفاظت بھی تھا کرنا دیکھا
آہ مظلوم پہ بے تاب اُترنا دیکھا
جب پریشان کیا حد سے عدو نے تو پھر
اُس کو پیشانی سے تھا جسکا پکڑنا دیکھا
تم وہی ہو لو تمہیں آج بتا دیتے ہیں

# کچن کی غلامی یا...

تحریر: مسرت جبیں

میرا خیال ہے آج میں ساری ماؤں، میرا مطلب ہے بیٹیوں کی ماؤں کو یہ نصیحت کر ہی دوں جو شاید آج تک کسی نے نہیں کی ہو گی کہ براہ مہربانی اپنی بیٹیوں کو کھانا پکانے میں ماہر بنانے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔

میری یہ نصیحت بیٹیوں کی ماؤں کیلئے تو حیرت کا باعث ہو گی، ہی لڑکوں کی مائیں تو یقیناً ڈنڈے بلکہ پستول لئے میری تلاش میں نکل پڑیں گی۔ خود سے ہانڈی میں چمچہ چلانا آئے نہ آئے، آنے والی نیک بخت سے تو ایک مکمل شیف ہونے کی توقع باندھ ہی لی جاتی ہے اور دنیا بھر کی لڑکیوں کو اس ہنر میں طاق کرنے کیلئے کیا کیا مفروضات گھڑ لئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر جاتا ہے، حد ہو گئی۔ لے کے پوری میڈیکل سائنس ہی گڑبڑ کر دی اور یوں بھی معدے کے راستے دل تک پہنچنا خاصا غیر رومانوی سا لگتا ہے یا پھر یہ نصیحت کہ جو عورت خود اچھا کھانا بنانا نہیں جانتی وہ کسی خانساماں یا شیف سے بھی اچھی طرح کام نہیں لے سکتی۔ ان سب باتوں کے برعکس میرا موقف یہ ہے کہ جس لڑکی یا عورت کو خود اچھا کھانا پکانا آتا ہے اس کے نصیب میں ساری عمر کے لئے کچن کی غلامی لکھ دی جاتی ہے، یہ میرا اپنا تجربہ ہے۔ حالانکہ میری ماں نے تو خود کوئی شعوری کوشش نہیں کی تھی، مجھے کھانا پکانے میں طاق کرنے کی کیونکہ ہمارے گھر کی روایتوں میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس گھر میں اچھا اور مزیدار کھانا بنتا ہو اور جہاں کی خاتون خانہ خود اچھا کھانا پکانا جانتی ہو وہاں کی بیٹیاں خود بہ خود ہی اچھا کھانا پکانا سیکھ جاتی ہیں لیکن میرا معاملہ تو دوسرا تھا۔ مجھے تو بچپن سے ہی پڑھائی، لکھائی سے زیادہ سلائی، بنائی اور روٹیاں بیلنے سے دلچسپی تھی۔ ابھی کچن تک رسائی نہیں ہوئی تھی اور میں چپکے، چپکے سب کی آنکھ بچا کر کھانا پکانے والے کی منت سماجت کر کے پیڑے بنانے اور پھلکے پکانے کی اپنی خواہش پوری کرتی تھی۔ میری یہ چوری میرے والد صاحب فوراً پکڑ لیتے تھے۔ "اتنی گول اور ہلکی، پھلکی روٹی کوئی دوسرا پکا ہی نہیں سکتا" اور میری پیشی فوراً عدالت میں ہو جاتی تھی۔ "ارے مڈل پاس کرتے ہی اس کی شادی کر دیں گے، اسے کچن میں گھسنے کا بڑا شوق ہے"۔ اس زمانے کے حساب سے بے حد پڑھی، لکھی میری خالہ بڑی خوشی، خوشی میرے مستقبل کا فیصلہ سناتیں۔ انہوں نے مڈل کے بعد جے وی (جونیئر ورنیکلر) اور ایس وی (سینئر ورنیکلر) کر رکھا تھا اور کسی اسکول میں ہیڈ مسٹریس کے عہدے پر فائز تھیں۔

میرے اسکول میں خانہ داری کی کلاس میں (ہمارے زمانے میں چھٹی سے آٹھویں تک خانہ داری سکھائی جاتی تھی جس میں کھانا پکانے، پیش (Serve) کرنے سے لے کر کپڑوں کی دھلائی، رنگائی تک سب کچھ ہی شامل تھا)۔ خیر تو میری کلاس ٹیچر میری سجی ہوئی ٹرے ممتحن کو دکھا، دکھا کر پھولی نہیں سماتی تھیں۔ "میڈم دیکھیں تو... چاول کس خوبصورتی سے پھولوں کی طرح کھلے ہوئے ہیں" اور میڈم واقعی چاولوں سے زیادہ میرے منّے سے سراپے پر نظر دوڑاتے ہوئے پورے نمبر دے دیتیں۔ انہیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ چاول ابالنا تو ایک کشمیری بیک گراؤنڈ والی بارہ سالہ لڑکی کیلئے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ واقعی روایت سچی تھی۔ میں نے گھر میں روٹی بیلنے کے سوا کبھی کوئی کام نہیں کیا تھا اور کھانا پکانے کی باقاعدہ تربیت تو کبھی کسی نے نہیں دی لیکن ہوا یہ کہ جب بھی اور جہاں بھی کوئی چیز پکائی، لوگ انگلیاں چاٹتے ہی رہ گئے۔ ماں، باپ تو محبت کرنے والے ہوتے ہیں، میرے تو ساس، سسر بھی میری پکائی ہوئی چیزوں کے مداح تھے بلکہ اپنے آخری دنوں میں میری ساس تو صرف میرے ہی ہاتھ کا پکا ہوا کھانا، کھانا چاہتی تھیں۔ اور اصل خرابی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ جب لوگوں کو ایک بار اچھے اور مزیدار کھانے کی چاٹ لگ جائے تو پھر انہیں کسی دوسرے کا پکا ہوا پسند ہی نہیں آتا۔ اس میں میرے میاں اور بچّوں کا کوئی قصور نہیں۔ خود مجھے کسی دوسرے کے ہاتھ کا پکا کھانا مشکل سے ہی پسند آتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں اوپر کا کام کرنے والے لڑکے کو بھی وہ کھانا کھانے میں کافی عار ہوتا ہے جو میں کوشش کر کے کسی خانساماں سے پکواتی ہوں تاکہ مجھے کچھ وقت تو کچن کی غلامی سے نجات ملے لیکن یہ آزادی الٹی گلے پڑ جاتی ہے جب کھانے کی میز پر سب کے منہ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور اتنے پیسے خرچ کر کے پکوائی ہوئی چیزیں جوں کی توں پڑی رہتی ہیں۔ تھک ہار کر پھر میں ہوتی ہوں اور پھر وہی ڈوئی ہانڈی!

وہ کیا چیز ہے جو کھانوں کو ذائقہ دار یا بدمزہ بناتی ہے؟ میں نے اس پر بہت غور کیا ہے۔ بظاہر ایک ہی طریقے سے بنائی گئی چیزیں اور ایک جیسے اجزاء پر مشتمل کوئی ڈش... ایسی ہوتی ہے کہ کھانے والے واہ واہ کر اٹھتے ہیں جبکہ کسی دوسرے کی پکی وہی ڈش کوڑے دان میں پھینکنے کو جی چاہتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کے ہاتھ میں ذائقہ ہے اور فلاں کے ہاتھ میں ذائقہ نہیں... لیکن مجھے یہ بات بالکل فضول اور من گھڑت لگتی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ کھانا پکانا پوری توجہ، شوق اور دلچسپی مانگتا ہے۔ یہ ایک فن ہے جس میں خون جگر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک آپ شوق اور دل کی خواہش سے کوئی چیز نہ پکائیں، اس میں کسی اچھے فن پارے کی خوبی آ ہی نہیں سکتی۔ اسے آپ آسانی سے یہ سمجھ لیں کہ جب تک پکانے والی یا پکانے والے کو خود پکانے میں مزہ نہ آ رہا ہو، کھانا مزیدار ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی سچ ہے کہ مزیدار کھانے کے بغیر زندگی میں بھی کوئی مزہ نہیں ہوتا۔ اب یہ فیصلہ آپ کا ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو زندگی بھر کچن کی غلامی کرانا چاہتے ہیں یا پھر اسے ایک بے روح اور بیزار لوگوں پر مشتمل گھرانے کا فرد بنانا چاہتے ہیں کیونکہ یہ بھی سچ ہے کہ جس گھر میں گھر والی کی دلچسپی کچن سے نہیں ہوتی وہاں وہ بے اختیار امڈ کر آنے والی خوشیاں بھی ذرا کم ہی نظر آتی ہیں جو ایسے مطمئن افراد کے آس پاس منڈلاتی ہیں جن کے معدے اور ذہن دونوں آسودہ ہوتے ہیں۔

❋❋❋

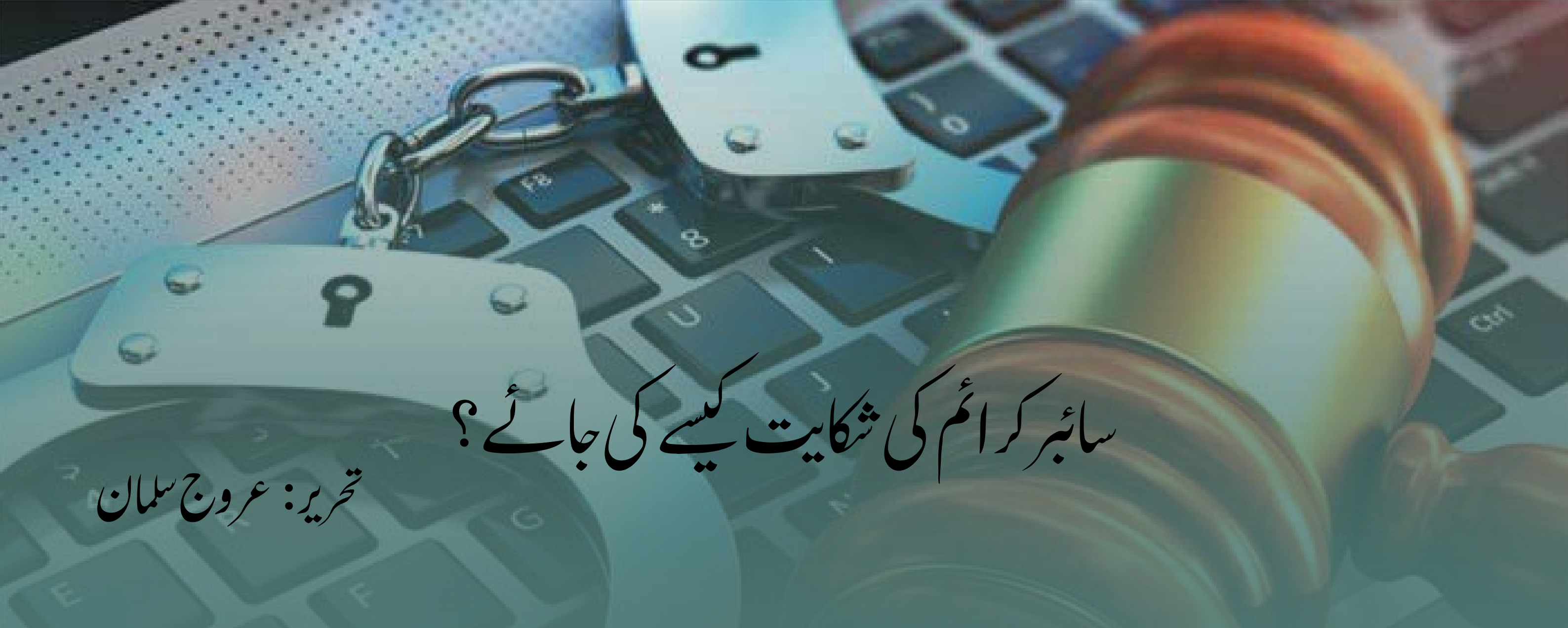

# سائبر کرائم کی شکایت کیسے کی جائے؟

تحریر: عروج سلمان

ٹیکنالوجی میں ترقی کے معاشرے پر جہاں دور رس اثرات مرتب ہوئے ہیں وہاں اس سے درپیش مسائل نے بھی جنم لیا ہے۔ ڈیجیٹل پلیٹ فارم کو استعمال کرتے ہوئے مختلف اقسام کی ہراسگی کا بزار اگرم ہے، سائبر کرائم کی روک تھام کے لیے 2002 میں قانون متعارف کرایا گیا تھا، جسے ماہرین و ناقدین نے مبہم قرار دیا۔ بعد ازاں 2016 میں پارلیمنٹ میں ایک نیا بل لایا گیا جسے منظور کرتے ہوئے پاکستان الیکٹرونک کرائم ایکٹ 2016 (پیکا) کا نام دیا گیا۔

لمحہ فکریہ، ہم کس نہج پر پہنچ چکے ہیں، بانفس نفیس یا جدید آلات جیسے کمپیوٹر، موبائل فون کے منفی استعمال کے باعث مسائل سے دوچار ہیں، مادر پدر آزادی میں کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب اس کی عزت کو مجروح کر دیا جائے گا تاہم اب پاکستان میں وفاقی تحقیقاتی ادارہ ایف آئی اے ان جرائم پر قابو پانے کیلئے اپنا فعال کردار ادا کر رہا ہے۔ ملک میں رائج سائبر کرائم قوانین کے مطابق کسی کے موبائل یا کمپیوٹر سے ڈیٹا چرانا، بری نیت سے اس کی تشہیر کرنا یا اس میں کسی قسم کی دخل اندازی جرم شمار ہوتا ہے۔ یہ ڈیٹا تصاویر، ویڈیوز یا تحریری مواد اور کسی بھی دیگر صورت میں ہوسکتا ہے۔

سائبر ونگ ذرائع کے مطابق سائبر کرائم کے زیادہ تر واقعات شہری علاقوں میں پیش آتے ہیں جن میں سے زیادہ تر شکایات بلیک میلنگ اور ہراساں کرنے کی ہوتی ہیں۔ حکام کا بتانا ہے کہ کیسز میں صنفی بنیاد پر اضافہ تعجب کی بات ہے جس میں خواتین کو ہراساں کرنے سے متعلق زیادہ کیسز رپورٹ کیے جا رہے ہیں۔ تاہم اب پاکستان میں ادارے اس بات کو لیکر کافی متحرک ہیں۔

اس کی مثال کراچی یونیورسٹی کے سابق پروفیسر فرحان کامرانی کی ہے جس نے فیس بک پر جعلی آئی ڈی کا استعمال کرتے ہوئے ایک خاتون استاد کی تصاویر پوسٹ کیں جس کی پاداش میں معزز عدالت نے 10 سال قید بمعہ 50 ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی جو اس برائی کو روکنے کیلئے حوصلہ افزا اقدام تھا۔

ڈیجیٹل حقوق پر کام کرنے والے ادارے ڈی آر ایف کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق سائبر کرائم ہیلپ لائن پر 2020 میں کل 3298 شکایات موصول ہوئیں جو 2019 کے مقابلے میں 70 فیصد زیادہ ہیں۔ ایک میڈیا رپورٹ کے مطابق 'ایف آئی اے' حکام کا کہنا ہے کہ، ملک میں سائبر کرائم کی شرح میں سالانہ 50 فی صد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق صوبہ سندھ کی طرح خیبر پختونخوا، بلوچستان، پنجاب، گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر سے بھی سائبر کرائم کی شکایات میں اضافہ ہوا ہے۔ سائبر کرائم ونگ حکام کے مطابق شکایات میں اضافے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پاکستان میں گزشتہ 10 سالوں میں انٹرنیٹ صارفین کی تعداد میں کافی حد تک اضافہ ہوا ہے، ان جرائم کو روکنا ایک چیلنج سے کم نہیں ہے۔

ہراسگی کی شکایت کیسے کی جائے؟

اگر کسی شہری کو انٹرنیٹ پر ہراساں کیے جانے، دھوکہ دہی یا اس طرح کی کوئی اور شکایت ہو تو وہ 'ایف آئی اے' کی ویب سائٹ helpdesk@nr3c.gov.pk پر موجود سائبر کرائم شکایات سیل کا ایک فارم پر کر کے اسے آن لائن جمع کرا سکتا ہے، علاوہ ازیں شہری اپنی شکایات تحریری طور پر 'ایف آئی اے' کے دفاتر میں بھی جمع کرا سکتے ہیں، یا سائبر کرائم سیل کی ہیلپ لائن 9911 پر کال کر کے اپنا مسئلہ درج کرا سکتے ہیں۔

نجی میڈیا ویب سائٹ پر شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق جون 2014 میں جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے سینٹر فار اسٹریٹیجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز کی سامنے آنے والی ایک تحقیق میں تخمینہ لگایا گیا تھا کہ سائبر کرائم کے نتیجے میں دنیا کو ہونے والا سالانہ نقصان 375 سے 575 ارب ڈالرز کے درمیان ہے۔

جاری کردہ اعداد و شمار کے پیش نظر انٹرنیٹ پر ہونے والے کاروبار کے 15 سے 20 فیصد حصے کے برابر ہیں۔ دریں اثنا انٹرنیٹ سیکیورٹی فرم میکافی نے بھی جون 2014 میں آن لائن ہونے والے سالانہ نقصانات کی رپورٹ مرتب کی جس کے مطابق سائبر کرائم کے نتیجے میں عالمی معیشت کو تقریباً چار سو ارب ڈالرز سے زائد کا نقصان ہوا ہے۔

❁❁❁

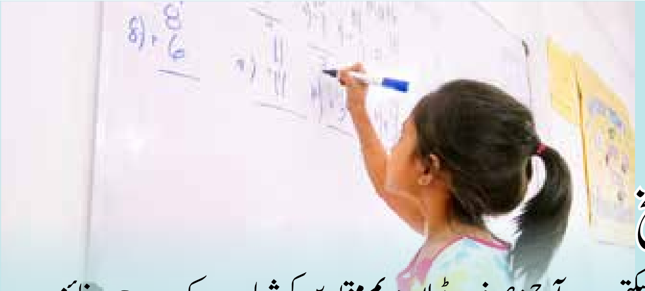

# آگے بڑھنے میں بچیوں کی حوصلہ افزائی کریں

تحریر: رابعہ شیخ

25 سال قبل دنیا کے تقریباً 200 ممالک سے تعلق رکھنے والے 30 ہزار کے قریب نمائندے خواتین کے حقوق کو انسانی حقوق میں شامل کرنے کا عزم لیے چوتھی عالمی خواتین کانفرنس میں شرکت کی غرض سے چین کے دارالحکومت بیجنگ پہنچے۔ کانفرنس کا اختتام (جو کہ خواتین کو بااختیار بنانے کے حوالے سے تھا) بیجنگ کو بطور پلیٹ فارم استعمال کرنے پر ہوا، پھر اگلے چند سالوں کے دوران دنیا نے دیکھا کہ خواتین کے جنسی و تولیدی صحت کے حقوق سے لے کر مردوں کے مساوی تنخواہوں تک جیسی بے شمار تحریکیں زور پکڑتی چلی گئیں۔ آج ان تحریکوں کا دائرہ کار مزید وسیع ہو چکا ہے، جن میں کم عمری میں بچیوں کی شادی، تعلیم میں عدم مساوات، صنفی تشدد، خود اعتمادی کی کمی جیسے مسائل بھی شامل ہیں۔ دنیا کے بہت سے ممالک کی طرح پاکستان میں بھی بچیوں کو مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن میں سے ایک بڑا مسئلہ کم عمری میں شادی ہے۔

دورِجدید کا موازنہ ماضی سے کیا جائے تو حالات بہت تبدیل ہو گئے ہیں، آج غیر تعلیم یافتہ معاشروں میں بھی بچیوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جا رہی ہے۔ آج کی لڑکیاں محرومیوں کی زنجیروں میں جکڑی ہونے کے بجائے معاشرے میں اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کر رہی ہیں۔ قدامت پسند ذہنوں کے مالک افراد بھی اس بات کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی نہ صرف گھر میں بلکہ خاندان میں اپنے آپ سے منسلک ہر رشتے کو بڑی خوبصورتی سے نبھا رہی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں خواہ وہ سیاسی، ادبی، کاروباری، صحت، تعلیم، کھیل یا کوئی بھی شعبہ ہو، اپنے ملک کا نام روشن کر رہی ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ نازک مزاج سمجھی جانے والی بیٹیاں اب زندگی کے ہر میدان میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑتی پھر رہی ہیں۔ جس طرح ایک عمارت کی تعمیر اگر مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر کی جائے تو وہ موسمی تغیرات اور ہر قسم کے حادثات برداشت کرنے کے بعد بھی اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے، بالکل اسی طرح اگر بچوں کی تربیت بھی بہترین خطوط پر کی جائے تو یہ بچے بڑے ہو کر مضبوط اور بااختیار شخصیت کے مالک بنتے ہیں۔ بچی کو بااختیار اور باشعور لڑکی بنانے میں والدین کا کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان کی حفاظت و تربیت کے ساتھ ساتھ انھیں بااختیار بنانے کے لیے والدین کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، جس کے لیے چند خاص نکات پر نظر رکھنا بے حد اہم ہے۔

☆ ایک بچی اس وقت ہی بااختیار ہو سکتی ہے جب اس کے ارد گرد کا ماحول بچپن سے ہی ایسا ہو، جس میں اس کی تربیت صنفی امتیاز سے بالاتر ہو کر کی جائے۔ والدین کو چاہیے کہ بچپن ہی سے بچیوں کی مہارتوں اور صلاحیتوں پر اعتماد کرتے ہوئے انھیں آگے بڑھنے کی جانب مائل کریں تاکہ وہ اپنی شخصیت سے متعلق ظاہری اور باطنی دونوں قسم کا اعتماد حاصل کر سکیں۔

☆ اکثر والدین بچپن ہی سے بچے بچیوں میں ایک خاص فرق پیدا کر دیتے ہیں جیسے کہ بیٹوں کے لیے مخصوص رنگ اور مخصوص کھلونے اور بیٹیوں کے علیحدہ رنگ اور علیحدہ کھلونے۔ ان کے نزدیک بیٹی کے لیے جہاز خریدنا معیوب جبکہ گڑیا خریدنا زیادہ مناسب ہوتا ہے لیکن عصرِ حاضر میں آپ کی یہ سوچ بچیوں کی ذہنی نشوونما پروان چڑھنے میں رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔ آج نہ صرف بیٹیاں مریم مختار بن کر شہادت کے درجے پر فائز ہو چکی ہیں بلکہ ملیحہ لودھی کے روپ میں بیرون ملک جا کر سفارت کاری کے فرائض بھی انجام دے رہی ہیں۔ ☆ والدین بیٹیوں کی تربیت سے متعلق بعض اوقات زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ گھر میں بیٹوں کے لیے الگ بیٹیوں کے لیے الگ قوانین و ضوابط ترتیب دیے جاتے ہیں۔ بچپن میں بیٹے اگر جھگڑا کریں تو عموماً انھیں ڈانٹا نہیں جاتا لیکن اگر بیٹیاں جھگڑا کریں یا صوفے پر جمپ لگانا شروع کر دیں تو فوراً روک ٹوک شروع ہو جاتی ہے۔ بچیوں کے لیے کھانے پینے کے آداب، گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کی ذمہ داری اور سونے جاگنے کے اوقات مختص کر دیے جاتے ہیں جبکہ لڑکوں کو ڈھیل دے دی جاتی ہے۔ اگر والدین چاہتے ہیں کہ وہ بیٹیوں کی پرورش کرتے ہوئے انھیں بااختیار بنائیں تو بچوں کے لیے مختلف اصول و ضوابط مرتب کرنے کے بجائے یکساں قوانین ترتیب دیے جائیں۔ انھیں وہ تمام سرگرمیاں کرنے کی اجازت دی جائے، جن کی بیٹوں کو اجازت دی جاتی ہے۔ ☆ سب سے اہم مرحلہ بچیوں کی تعلیم و تربیت کا ہے۔ اگرچہ پاکستانی معاشرے میں اب لوگ اس بات کا شعور رکھنے لگے ہیں کہ ایک بیٹی کی تعلیم کے اثرات صرف اس کی ذات تک نہیں رہتے بلکہ نسلوں کو سنوارنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ملک کے بیشتر حصوں میں لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا اب معیوب نہیں سمجھا جاتا، تاہم اس کے باوجود، آج بھی اکثر گھرانے بچیوں کو اعلیٰ اور معیاری تعلیم دینے کے حوالے سے کشمکش کا شکار ہیں۔ بطور والدین یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تعلیم حاصل کرنا بیٹے کی طرح بیٹی کا بھی بنیادی حق ہے۔ ایک پڑھی لکھی لڑکی کسی عام لڑکی کے مقابلے میں خود کو زیادہ پُراعتماد اور خودمختار سمجھتی ہے۔ جو رقم آپ بیٹیوں کی تعلیم پر خرچ کریں گے، وہ دراصل قوم کے لیے سرمایہ کاری ہوگی۔ ☆ دنیا بھر میں خواتین انٹرپرینیورز کی تعداد میں ہوتا اضافہ انھیں معاشی طور پر مستحکم کرنے میں کافی مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق چین، برازیل، روس اور جنوبی افریقہ کے تیس فیصد کاروباری اداروں پر حکمرانی خواتین کی ہی ہے۔ آپ کو بھی اپنی بیٹیوں کی صلاحیتوں اور مہارتوں پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے انھیں آگے بڑھنے کا موقع دینا ہوگا۔ ان کے کاروبار میں سرمایہ کاری کرتے ہوئے ان کے بزنس سیٹ اَپ میں ان کی مدد کرنا ہوگی، بالکل ایسی ہی جیسے ایک بیٹے کے کاروبار کی کامیابی کے لیے اس کا ساتھ دیا جاتا ہے۔

☆ ماہرین کے مطابق، بچپن میں بچوں کے لیے استعمال کیے جانے والے مخصوص الفاظ ان کی ذہنی سوچ پروان چڑھاتے ہیں۔ بچیوں کو شہزادی اور سنڈریلا جیسے القابات دینے سے گریز کریں، اس کے بجائے انھیں اسمارٹ اور انٹیلی جنٹ (ذہین) جیسے القابات دیں، جب وہ اپنی میز یا الماری ٹھیک کرلیں تو ان کے لیے تعریفی کلمات ادا کریں۔ اپنی بیٹی کی تعریف کرنے کے لیے الفاظ کا ذخیرہ وسیع کریں اور اس میں تخلیقی، طاقتور، بہادر، رحمدل، پُراعتماد اور آرٹسٹک جیسے الفاظ شامل کریں۔

# رشتے ناطے کھو گئے تو کدھر جائیں گے

تحریر: زرین آصف

گذشتہ روز خالہ راحیلہ کیا آئیں، سارے گھر والے خوش ہو گئے۔ خالہ اپنے ساتھ دو بوتل کیری کا شربت اور ایک چھوٹا مرتبان آم کا اچار بھی لائی تھیں۔ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس سال ہمارے گھر نہ کیری کا شربت بنا ہے اور نہ ہی آم کا اچار ڈل سکا۔ تو وہ اکیلے کیسے کھا پی سکتی تھیں۔ دوسرے دن ہی ان چیزوں کے ساتھ ہمارے گھر موجود تھیں۔ کتنی بڑی نعمت ہیں یہ محبت بھرے رشتے۔ اللہ تعالی بلاشبہ بے حد مہربان و رحیم ہے۔ جب کسی کو دنیا میں بھیجتا ہے تو ماں باپ، بہن بھائی، دادا دادی، نانا نانی، پھپھو چچا، خالہ ماموں غرض ہر رشتہ میں محبت پیدا کر دیتا ہے۔ حتٰی کہ ایک اجنبی انسان کے دل میں بھی ایک بچہ کے لیے محبت رکھ دیتا ہے۔ یہ رشتے ہی خاندان بناتے ہیں جو ایک انسان کے لیے پناہ گاہ کا کام کرتے ہیں جس میں ننھا پودا بڑھ کر درخت بن جاتا ہے۔ ہر رشتے کی اپنی جگہ اور اہمیت ہوتی ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو زندگی میں کمی کا احساس رہتا ہے۔ پہلے کا دور بھی کیا خوب صورت دور تھا۔ ایک دوسرے کے آتے جاتے ہی نہیں بلکہ رہنے جاتے تھے۔ گرمیوں، سردیوں کی چھٹیاں ہوں یا شادی بیاہ کی تقریبات۔ اسکے علاوہ بھی موقع ملے تو بخل سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ بلانے والے کا بھی اصرار اور جانے والے کی بھی تڑپ، اب سب مادہ پرستی کی نذر ہو گیا اور کچھ وقت کی کمی کے۔ مہمان بھی چاہتا ہے کہ بریانی، نہاری اور پزا سے ضیافت کی جائے اور کھلانے والا بھی سوچتا ہے کہ ہمارا ہی مشکل سے گزارا ہوتا ہے، آنے والے کو کیا کھلائیں۔ حالانکہ مہمان کی نظر میں میزبان کے خلوص کی اہمیت ہونی چاہیے اور میزبان کو سوچنا چاہیے کہ مہمان اللہ کی رحمت ہے۔ ہر ایک کو زندگی اتنی مصروف لگنے لگی کہ کسی کے پاس کسی کے لیے وقت نہیں۔ کسی بیٹے یا بیٹی کے رشتے کی بات چل رہی ہوتی تو سب سے مشورہ لیا جاتا اور ہر ایک اپنا بیٹا بیٹی سمجھ کر مشورہ دیتا۔ کسی کے گھر کوئی مسئلہ ہوتا تو خاندان کا ہر فرد اسکو اپنا مسئلہ سمجھتا۔ بچے دادا، دادی کے سائے اور پھپھو چچا کے لاڈ میں پلتے تو ننھیال میں بھی ہر ایک کی آنکھ کا تارا ہوتے۔ کتنی محبت و اپنائیت تھی ان رشتوں میں۔ رشتے تو اب بھی ہیں، اللہ تعالی نے ان میں محبت بھی رکھی ہے لیکن انسان اپنی نادانی سے ان رشتوں سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ موبائل کے ذریعے ساری دنیا ہاتھ میں لیکن ہر فرد اپنی ذات میں گم اور تنہا۔ میں، میرے بچے میرا گھر سے بات شروع ہو کر میں پر ختم ہو جاتی ہے۔ انا پرستی، مادہ پرستی اور خود غرضی نے آج کے انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے، نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کر دیا ہے۔

اللہ تعالی رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیتا ہے، حضرت عبد الرحمن ؓبن عوف کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں میں رحمان ہوں (یعنی صفت رحمت کے سات متصف ہوں) میں نے رحم یعنی رشتے ناطے کو پیدا کیا ہے اور اس کے نام کو اپنے نام یعنی رحمٰن کے لفظ سے نکالا ہے، لہذا جو شخص رحم کو جوڑے گا یعنی رشتہ ناتا کے حقوق ادا کرے گا تو میں بھی اس کو (اپنی رحمت خاص کے ساتھ جوڑوں گا اور جو شخص رحم کو توڑے گا یعنی رشتے ناطے کے حقوق ادا نہیں کرے گا میں بھی اس کو (اپنی رحمت خاص سے) جدا کروں گا۔ (ابو داؤد، مشکوۃ) اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ "جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت و فراخی اور اس کی عمر دراز ہو تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (مشکوۃ ۴۱۹)

برسات کا موسم ہے، نئ کونپلیں کھلنے کا موسم تو کیوں نہ ہم بھی اپنے روٹھے رشتوں کو منا کر معاشرے پر چھائی خزاں کی پرچھائیں کم کرنے والے بن جائیں۔ ❁❁❁

## یہی تیرا ہے وتیرا ہے یہی تو شان ہے تیری

نور الصباح جرمنی

تیرے قدموں میں رہنا ہے مجھے تا عمر اے دلبر
تیرے کوچوں میں گلیوں میں تیرے در پر ہو میرا سر
جہاں دیکھو ں جدھر دیکھوں تیرا چہرہ نظر آئے
زمانہ میں نہ تجھ سا دوسرا کوئی مجھے بھائے
یہ سب گلیاں نگر دریا سمندر یہ شجر سارے
تیری حمد و ثنا کرتے ہیں سب تیرے یہ فن پارے
نہیں تجھ سا پیارا اس زمانے میں کوئی دوجا
کروں میں ہر گھڑی ہر وقت ہر دم بس تیری پوجا
میرا دل عشق میں تیرے تڑپتا ہے اچھلتا ہے
گزارو اس کے در پر عمر تب وہ یار ملتا ہے
مجھے رنجوں سے تکلیفوں سے دردوں سے نکالا ہے
میرے پیارے میری جان مجھ کو بس تو نے سنبھالا ہے
مسیحا نے جو کی تجھ سے محبت مجھ کو سکھلا دے
محمد مصطفی کے سب رموز عشق بتلا دے
میرے پیارے میرا دل چاہتا ہے تجھ پہ مر جاؤں
فدا ہو جاؤں تجھ پہ دلبرم حد سے گزر جاؤں
نہیں الفاظ میرے پاس اظہار تمنا کے
اٹھوں نہ ادھر سے تیرے چھوڑ دوں سب کام دنیا کے
سمندر جیسے کوزے میں ہو ویسے عشق ہے دل میں
اگر تو دور ہے تو کچھ نہیں دنیا کی محفل میں
میرے سارے گناہوں لغزشوں ساری خطاؤں کو
سبھی کچھ جان کر کرنا نہ رد ساری دعاؤں کو
یہی تیرا ہے وتیرا ہے یہی تو شان ہے تیری
میری منزل ہے تو رستہ ہے تو اور جان تو میری
جبیں سجدے میں ہو اور دل تیرے قدموں میں رکھا ہو
ہے جو کچھ پاس میرے سب وہ تیرے نام ہو جائے
اسی حالت میں اپنی زندگی کی شام ہو جائے

❁❁❁

# پاگل کتوں کا راج اور ہمارا مائنڈ سیٹ

تحریر: سیمیں کرن

وہ اکیلی بھی نہیں تھی اس کے ساتھ چند ساتھی تھے اس کے باوجود وہ ہجوم کی وحشت کا شکار ہوگئی۔

اجی ٹک ٹاکر تھی واہیات حرکتیں اپنی ویڈیوز میں کرتی تھی اس دن بھی اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتا کیوں گئی تھی وہاں؟ اور وہ جو لاہور میں سانحہ موٹروے پر ہوا تھا وہ عورت اپنے بچوں کے ساتھ اپنی گاڑی میں سوار تھی۔ اجی اس کا بھی قصور تھا کیوں اس نے پٹرول چیک نہیں کیا اور رات کو اکیلے سفر کرنے کی تک کیا تھی!

یہ ہے وہ مائنڈ سیٹ جس سے لڑائی ہے، لڑائی اکہری نہیں دوہری ہے۔ جب تک آپ جرم وگناہ کے جواز وتاویلات تراشتے رہیں گے آپ بدترین جرم کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔ مدعا یہ ہے کہ وہ عورت کوئی بھی تھی اس ملک کی آزاد شہری تھی جسے نقل وحرکت کا بنیادی حق حاصل تھا۔ اس وقت اس مسئلے پہ معاشرہ خود تقسیم ہے وہ ٹک ٹاکر کی ویڈیوز اور گفتگو سے حظ اٹھا کر چٹکی لے رہا ہے جیسے اندر ہی اندر خوش ہو کہ اس کے ساتھ جو ہوا وہ اچھا ہوا۔

جس معاشرے کی خواتین بھی اس معاملے میں عورت کی جانب نہ کھڑی ہوں وہاں مرد سے یہ توقع کرنا کہ وہ اس کا مقدمہ لڑے گا یہ کیسی عبث آرزو ہے یہ وہ مائنڈ سیٹ ہے جو نیچے سے لے کر ایوان وزیر اعظم تک براجمان ہے جہاں وزیر اعظم فرماتا ہے کہ عورتوں کا لباس ہی محرک ہے وہ یہ کہتے ہوئے بھول جاتا ہے کہ وہ اس رعایا کا نگران ہے ذمہ دار ہے جس میں ہر طرح کے مرد وزن بلکہ تیسری صنف بھی شامل ہے جن کی جانب سے کوتاہی کی صورت وہ انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔

لڑنے کی ضرورت اس سوچ سے ہے جو ظلم کے لیے جواز تراش رہی ہے اور جواز کیا ہیں وہ ٹک ٹاکر تھی اس نے مجمعے کو اپنی ریٹنگ کے لیے اکٹھا کیا گر یہ قصہ بھی ہے تو بھی سوال اٹھتا ہے سیکیورٹی پہ کہ ایسی حرکات کرنے کی اجازت کیوں دی جاتی ہیں جو کسی مجمع کو مشتعل کر دے یا انتشار کا سبب بنے۔ تین گھنٹے کم مدت نہیں ہوتی یہ کوئی گاؤں یا دور افتادہ دیہات نہیں تھا یہ شہر کا معروف ومصروف حصہ ہے۔

فرض کیجیے یہ سب سوچا سمجھا پلانٹڈ کیس تھا تو ایسے میں بھی آپ کی ہمدردی بھوکے پاگل کتوں کے ساتھ ہونا خود اپنی جگہ ایک بڑا سوال ہے۔ مجھے کچھ سال پہلے کی ایک انڈین مووی 'پنک' یاد آ رہی ہے جس کا تھیم یہ تھا کہ انکار اگر طوائف بھی کرے تو اس کا مطلب انکار ہی ہے۔ وہ ٹک ٹاکر تھی وہ اپنی ریٹنگ کے لیے وہاں گئی تھی۔ اس نے اپنے فینز کو وہاں بلا رکھا تھا۔ یہ سب بے معنی ہے یہاں معنی ہے تو اس بات کا کہ وہ وہاں بھوکے کتوں کے غول میں پھنس گئی تھی۔ وہ مجمع نہیں تھا ہلکے ہوئے کتوں کا غول تھا اور ان کتوں کو بھگانے کے لیے جس لاٹھی کی ضرورت تھی وہ دور دور تک نہیں تھی۔ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ وہ تین گھنٹے وہاں اذیت جھیلتی رہی اور سیکورٹی و پولیس گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھی۔ ریسکیو 15 پر بار بار فون کرنے کے باوجود کوئی نہیں آیا۔

یہ جواز تراش کر کہ اس کو ہجوم میں نکلنے کی ضرورت کیا تھی اس نے اپنے فینز کو وہاں خود بلایا مجرم معاشرے کے ہاتھ مت مضبوط کیجیے۔ صفائی کی ضرورت پہلے ذہنوں کو ہے جو ظلم کو ظلم سمجھیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ سوشل میڈیا پہ اکثریت پاگل کتوں کو جواز فراہم کر کے ان کے پاگل پن میں مزید اضافہ کر رہی ہے۔ کیا کہا۔ جی پاگل کتے۔ جی کتے اگر پاگل ہو جائیں تو ان کا ایک ہی علاج ہوتا ہے اور یہاں اسی علاج کی ضرورت ہے۔ یہاں ایسی جگہوں پہ شدید سیکورٹی کی ضرورت ہے تا کہ اس قسم کے سانحات سے بچا جا سکے۔ یہ کوئی معمول کا دن نہیں تھا آزادی کا دن تھا وہ پاکستانی پرچم پہن کر آئی تھی۔ درندے اسے نوچتے کھسوٹتے رہے لیکن نگہبان وہاں موجود نہیں تھے اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نہیں تھے؟

یاد رکھیے یہ پاگل کتے ایک دن اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ آپ کی اپنی بچیاں ہسپتالوں، شاہراوں، مالز، سکولز، کالجز، پارکس ہر جگہ غیر محفوظ ہو جائیں گی۔

اب کب تک پاگل کتوں کے خوف سے عورتوں کے حق نقل وحرکت پہ قدغن لگاتے چلے جائیں گے۔ اس قسم کے سانحے جانے کتنے لوگوں کو گھروں میں خوفزدہ ہو کر دبک جانے پہ مجبور کر دیتے ہیں کتنی عورتوں پہ مزید قدغن عائد کر دی جاتی ہے۔ ہم شاید اس کا احساس نہیں کر پاتے مگر آخر کب تک۔ کب تک ہم یہ بودے جواز تراشیں گے کہ ہم جنگل میں رہتے ہیں اور یہاں راج پاگل کتوں کا ہے۔

# ڈبے کے دودھ کی بجائے ماں کا دودھ بچے کے دل کو توانا رکھتا ہے

آئرلینڈ: اگرچہ ماں کے دودھ کے کئی فوائد سامنے آتے رہے ہیں اور اب معلوم ہوا ہے کہ شیر مادر نومولود بچے کے دل کو توانا رکھتا ہے۔ بالخصوص وہ بچے جو نوماہ کی بجائے آٹھ ماہ یا اس سے کم مدت میں آنکھ کھولتے ہیں۔ آئرلینڈ میں واقع رائل کالج آف سرجنز سے وابستہ ڈاکٹر عفیف ال خفاش کہتے ہیں کہ ماں کا دودھ بچے کی زندگی کا درجہ رکھتا ہے۔ تاہم پہلی مرتبہ پری میچیور (قبل از وقت) پیدا ہونے والے بچوں کے قلب اور ماں کے دودھ کے درمیان تعلق سامنے آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بچے کے پہلے برس ماں کا دودھ اس کی صحت اور قلبی تندرستی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ اپنے وقت پر پیدا ہونے والے بچوں کے مقابلے میں کم مدت میں جنم لینے والے بچوں کا دل کمزور ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایسے بچے آگے چل کر دل کے مریض بھی بن سکتے ہیں۔ ان میں بلڈ پریشر اور ہارٹ فیل کا خطرہ بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے بچوں میں موت کی وجہ امراضِ قلب بھی ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ایسے 80 بچوں کا جائزہ لیا گیا جنہوں نے معمول سے ہٹ کر اپنی مدت سے پہلے دنیا میں آنکھ کھولی تھی۔ اس وقت وہ صرف ماں کا دودھ پی رہے تھے اور صرف ایک سال میں ان کے دل کے افعال میں نمایاں بہتری دیکھی گئی۔ یہاں تک کہ وہ وہ مکمل صحتیاب اور بڑے ہو گئے تب بھی ان میں یہ مثبت کیفیت برقرار رہی۔

ماہرین نے دیکھا کہ جن بچوں کو دنیا میں آتے ہی ماں نے دودھ پلایا ایک سال کی عمر تک ان بچوں کے دل کی ساخت اور افعال بہتر ہوئے۔ لیکن جن بچوں کو تجرباتی طور پر فارمولہ (ڈبے کا) دودھ دیا گیا ان میں یہ بہتری نہیں ہوئی۔ اس اہم تحقیق کی تفصیلات 30 اگست کو جرنل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن میں شائع ہوئی ہیں۔

'وقت سے پہلے پیدا ہونے والے بچوں کے دل میں کئی نقائص ہو سکتے ہیں۔ لیکن ماں کا دودھ اس کا بہترین علاج ثابت ہوسکتا ہے جو ایسے بچوں کے قلب کو درست کرتے ہوئے عین اسے تندرست بچوں کے دل کی مانند بنا دیتا ہے،' ڈاکٹر عفیف نے کہا۔

انہوں نے مزید بتایا کہ جن بچوں کو ماں کے علاوہ دیگر اقسام کے دودھ دیئے گئے ان کے دل میں یہ خاصیت نہ پیدا ہوسکی۔ اس اہم تحقیق کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ ماں کے دودھ کے جہاں ہزاروں فوائد ہیں وہیں اس میں بچے کے دل کے لئے شفا بھی موجود ہے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ماؤں کی جانب سے بچے کو دودھ پلانے کی ہر ممکنہ حوصلہ افزائی کی جائے۔

❁❁❁

## اچھا لڑکا

حفیظ جالندھری

صبح ہوا جب نور کا تڑکا
سو کر اٹھا اچھا لڑکا
غسل کیا، پھر ناشتا کھایا
بستہ اپنی بغل دبایا
پھر مکتب کا رستہ پکڑا
راہ میں اس کو ملا اک مرغا
مرغا بولا "آؤ کھیلیں"
شور مچائیں اور ڈنٹر پیلیں
لڑکا بولا "او بھائی مرغے!"
کھیلنے کا یہ وقت نہیں ہے
میں اب پڑھنے جاتا ہوں
مرغا بولا "ککڑوں کڑوں"
خیر سے پھر آگے کو بڑھا وہ
جلدی جلدی چلنے لگا وہ
پیڑ پہ چڑیاں بول رہی تھیں
اڑنے کو پر تول رہی تھیں
لڑکا ان کے پاس سے گزرا
گزرا تو، بولی اک چڑیا
آہا بھیا! آؤ کھیلیں
آج ذرا سکول نہ جاؤ
لڑکا بولا "پیاری چڑیا"
کھیل سے ہے پڑھنا اچھا
میں اب پڑھنے جاتا ہوں
چڑیا بولی "چوں چڑ چوں"

❁❁❁

# قیمہ بنانے کی ذائقہ دار ترکیبیں

گوشت کا شمار ہر کسی کی مرغوب غذا میں کیا جاتا ہے۔ گوشت سے انواع واقسام کے پکوان بنائے جاتے ہیں، جنھیں بچے اور بڑے سب ہی شوق سے کھاتے ہیں۔ تاہم، گوشت کے استعمال میں ہر کسی کی پسند الگ ہوسکتی ہے جیسے کہ کوئی بکرے یا گائے کا گوشت پسند کرتا ہے تو کوئی دنبے، مرغی یا مچھلی کا۔ گوشت کو پیس لیا جائے تو یہ قیمہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جسے ہمارے یہاں بہت رغبت سے کھایا جاتا ہے۔

مغلوں اور نوابوں کے دور میں بھی قیمے کے مختلف کھانوں کو نہایت اہمیت حاصل تھی۔ مغلوں کو گائے کا قیمہ پسند تھا مگر لکھنؤ میں باورچی بھیڑ یا دنبے کا قیمہ بنانے کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ ان کے گوشت کا قیمہ نرم ہوتا تھا۔ قیمے کو خالی بھون کر یا کسی سبزی کے ساتھ ملا کر بنایا جاتا ہے۔ ان میں سے چند کھانوں کی تراکیب قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔

## دَم کا قیمہ

**درکار اجزاء:** قیمہ۔ آدھا کلو سے تین پاؤ، پیاز (کٹی ہوئی)۔ دو عدد، ادرک لہسن پیسٹ۔ ایک چائے کا چمچ، مرچ پاؤڈر۔ ایک سے دو چائے کے چمچ، ہلدی۔ حسبِ ذائقہ، دہی۔ تین چائے کے چمچ، کچا پپیتا۔ ایک چائے کا چمچ، ہری مرچ۔ دو عدد، لیموں کا رس۔ دو چائے کے چمچ، کوئلہ۔ ایک چھوٹا ٹکڑا، نمک۔ حسب ذائقہ، تیل۔ ایک چوتھائی کپ، لونگ۔ چار سے پانچ عدد

**ترکیب:** پیاز، ہری مرچ اور تیل کے علاوہ قیمے میں تمام مسالے لگا کر ڈھانپ کر کچھ گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پھر ایک الگ برتن میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز کو ہلکا سنہری رنگ آنے تک پکائیں۔ اس کے بعد قیمہ شامل کر کے کچھ منٹ تک تیز آنچ پر پکنے دیں۔ کوئلے پر ایک پنی چڑھائیں جس پر ایک چائے کا چمچ تیل لگایا گیا ہو اور پھر اسے برتن میں ڈال دیں۔

پھر اس کو ڈھکن سے ڈھک کر بیس سے تیس منٹ تک درمیانی آنچ پر دَم دینے کے طریقے کے مطابق پکائیں۔ اب کوئلہ نکال کر اس میں ہری مرچوں کو شامل کریں اور ڈھکن سے برتن ڈھک دیں اور ہلکی آنچ میں اس وقت تک پکائیں جب تک وہ تیار نہ ہوجائے۔ ہرا دھنیا، پودینہ، لیموں اور کٹی ہوئی پیاز سے سجا کر نان یا پراٹھے کے ساتھ پیش کریں۔

## بہاری قیمہ

**درکار اجزاء:** قیمہ۔ آدھا کلو، خشخاش۔ ایک کھانے کا چمچ، کھوپرا۔ ایک کھانے کا چمچ (پسا ہوا)، لال مرچ۔ بارہ عدد (گول)، لونگ۔ تین عدد، دارچینی۔ دو ٹکڑے، ہری الائچی تین عدد، کچا پپیتا۔ ایک کھانے کا چمچ، ادرک لہسن پیسٹ۔ ایک کھانے کا چمچ، گھی یا تیل۔ آدھا کپ، نمک۔ ایک چائے کا چمچ، دہی۔ ایک کپ، پیاز۔ تین چائے کے چمچ (تلی اور پسی ہوئی)، گرم مسالہ۔ ایک چائے کا چمچ، ہرا دھنیا۔ گارنش کے لئے، ہری مرچ۔ گارنش کے لئے

**ترکیب:** خشخاش، کھوپرا، گول لال مرچ، لونگ، دارچینی اور ہری الائچی کو بھون کر پیس لیں۔ قیمے کو کچا پپیتا اور ادرک لہسن کے پیسٹ سے میری نیٹ کر کے دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب گھی یا تیل گرم کر کے اس میں مسالہ، ایک چوتھائی کپ پانی اور نمک ڈال کر چند منٹ کے لیے فرائی کر لیں۔

پھر اس میں میری نیٹ کیا ہوا قیمہ شامل کر دیں اور دہی ڈال کر ڈھک دیں۔ اسے ہلکی آنچ پر پکائیں، یہاں تک کہ پانی خشک ہوجائے۔ اس کے بعد پیاز اور گرم مسالہ شامل کر کے کوئلے کا دَم دیں۔ اب اسے ہرا دھنیا اور ہری مرچ سے گارنش کر کے کشمیری پراٹھے کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

## قیمہ گھوٹالہ

**درکار اجزاء:** قیمہ۔ آدھا کلو، تیل۔ تین چوتھائی کپ، پیاز۔ ایک عدد (کٹی ہوئی)، لہسن ادرک پیسٹ۔ دو کھانے کے چمچ، لال مرچ پاؤڈر۔ ڈیڑھ چائے کا چمچ، ہلدی۔ آدھا چائے کا چمچ، دھنیا پاؤڈر۔ دو چائے کے چمچ، گرم مسالہ۔ ایک چائے کا چمچ، دہی۔ آدھا کپ، ٹماٹر۔ تین عدد (کٹے ہوئے)، نمک۔ ڈیڑھ چائے کا چمچ، زیرہ۔ ایک چائے کا چمچ (بھنا اور کٹا ہوا)، ٹماٹر۔ ایک عدد (چھوٹے کیوبز میں)، ہری مرچ۔ تین عدد (کٹی ہوئی)، ہرا دھنیا۔ دو کھانے کے چمچ (کٹا ہوا)، انڈے۔ تین عدد (پھینٹے ہوئے)، ادرک۔ حسب ضرورت (کٹا ہوا)۔

**ترکیب:** ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز کو پانچ سے سات منٹ تک فرائی کریں، یہاں تک کہ وہ ہلکی سنہری ہوجائے۔ اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، کٹے ٹماٹر، قیمہ، لال مرچ، ہلدی، دھنیا، نمک اور زیرہ ڈال کر فرائی کر لیں۔ پھر اس میں دہی شامل کریں اور تھوڑا سا مزید فرائی کرنے کے بعد ایک کپ پانی ڈال کر ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔

پھر اس میں انڈے ڈال کر مکس کریں۔ آخر میں ٹماٹر کے کیوبز، گرم مسالہ، ہری مرچ، ہرا دھنیا اور ادرک ڈال کر پانچ منٹ دَم پر رکھ دیں۔ پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

❁❁❁

معلوماتِ طبی

# کونسا قہوہ کس مرض کا علاج ہے؟

طبی ماہرین کی جانب سے سبز چائے یعنی کہ قہوے کا استعمال تجویز کیا جاتا ہے جو کہ مجموعی صحت کے لیے بے حد مفید ہے، مگر یہ جاننا بھی لازمی ہے کہ کس جُز سے بنا قہوہ کس مرض کے لیے علاج ثابت ہوتا ہے۔ انٹرنیشنل جرنل آف فوڈ سائنسز اینڈ نیوٹریشن میں شائع ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق روزانہ صبح ایک کپ قہوہ پینے کے نتیجے میں انسانی جسم میں مثبت تبدیلیاں سامنے آتی ہیں جن میں منفی کولیسٹرول اور موٹاپے میں کمی واقع ہونا سر فہرست ہے۔ ماہرین کے مطابق قہوے کے استعمال سے متعدد قسم کے کینسر سے بھی نجات حاصل ہوتی ہے۔ غذائی ماہرین کے مطابق قہوے میں کیفین کی مقدار پائی جاتی ہے، کیفین کے سبب بھوک میں کمی واقع ہوتی ہے اور جسم سے مضر صحت مادوں کا صفایا ممکن ہوتا ہے لہٰذا صحت پر مختلف قسم کے قہوے مختلف طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں جن سے متعلق چند اقسام مندرجہ ذیل درج ہیں۔

**دار چینی کا قہوہ:** غذائی ماہرین کے مطابق دار چینی سے بنا قہوہ گلے کی خراشوں، نزلہ، زکام اور کھانسی کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے، اس کی تاثیر بڑھانے کے لیے اگر اس میں شہد بھی شامل کرلیا جائے تو ایک دن میں تین پیالیوں سے ہی علاج ممکن اور شفاء حاصل ہوجاتی ہے۔

**لیموں اور شہد سے بنا قہوہ:** ماہرین جڑی بوٹیوں کے مطابق سردی لگنے سے بچاؤ کے لیے سبز چائے میں اگر لیموں اور شہد ملا کر استعمال کیا جائے تو ’ہیڈ کولڈ‘ یعنی موسمی نزلے زکام اور سردی سے بچا جاسکتا ہے۔

**کیمومائل (chamomile flowers) سے بنا قہوہ:** کیمومائل کے پھولوں سے بنا قہوہ بے خوابی کا بہترین علاج ہے، کیمومائل کے پھول اگر میسر نہ ہوں تو مارکیٹ میں ٹی بیگ کی شکل میں ملنے والی کیمومائل پتی کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

**ہلدی اور ادرک سے بنا قہوہ:** ہلدی اور ادرک کا قہوہ پینے کے نتیجے میں موسمی الرجیز، سائنس، سانس کی بندش، مٹی سے ہونے والی الرجی سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

**پودینے سے بنا قہوہ:** پودینے کی سبز پتیوں سے بنے قہوے کا استعمال اپھار کا بہترین علاج ہے، اس کے استعمال سے پھولا ہوا پیٹ منٹوں میں ٹھیک ہوجاتا ہے جبکہ گیس، بدہضمی اور بھاری پن کا علاج بھی ممکن ہوتا ہے۔

**ادرک سے بنا قہوہ:** صرف ایک جڑی بوٹی ادرک سے بنے قہوے کا استعمال سر درد کا منٹوں میں علاج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ادرک سے بنے قہوے کے استعمال کے نتیجے میں پیٹ کی چربی سے بھی چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

**تُلسی کے پتوں (باسل ٹی، Basil Tea) سے بنا قہوہ:** عام گھروں اور پارکس میں لگے پودے تُلسی کے پتوں سے بنے قہوے کے استعمال کے نتیجے میں ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے، تُلسی کے پتوں سے بنا قہوہ خوشی محسوس کروانے والے ہارمونز کو متحرک کرتا ہے اور فکر مندی، ذہنی دباؤ، پٹھوں سے کھنچاؤ سے نجات دلاتا ہے۔

**سادہ سبز چائے:** سادہ سبز چائے جہاں بے شمار فوائد کی حامل ہے وہیں اس کے باقاعدگی سے استعمال کے نتیجے میں ایکنی، کیل مہاسوں سے بچاؤ اور اِن کی افزائش میں کمی ممکن ہوتی ہے۔

❁❁❁

## کہتے ہیں وہ بھی آج کہ جنت ملی مجھے

دیا جیم

اس وقت بیقراری و وحشت ملی مجھے
جس وقت انتظار کی نعمت ملی مجھے
اس کی ادائیں ہی تو مجھے بوڑھا کر گئیں
اک عمر چھوڑ کر جو محبت ملی مجھے
آنکھوں میں دکھ چھپا لئے تاروں کے خوف سے
اک شام زرد شام قیامت ملی مجھے
جب آرزو نے اپنی مسافت تمام کی
ٹوٹا بدن شکستہ عمارت ملی مجھے
اک نام لے کے دل میں یہ سانسیں رواں ہوئیں
جب پھول چنتے چنتے فراغت ملی مجھے
جن کو خدا کے قہر نے جنت بدر کیا
کہتے ہیں وہ بھی آج کہ جنت ملی مجھے
وہ بھی تکلفات میں برباد ہو گئی
محفل میں خواہ مخواہ کی جو عزت مجھے ملی
دھڑکن نے ساز چھیڑا اور یہ دل بنا دیا
تو نے نظر اٹھائی تو صورت ملی مجھے

❁❁❁

ZINGMAAR

EASY TO FOLLOW
UNIQUE RECIPES FROM
AROUND THE WORLD

FOLLOW @ZINGMAAR

ISSUE
OCTOBER 2021
Vol-3 | Issue-2
SAFAR
RABI-UL-AWWAL

# AABGEENEI

## MONTHLY KHAWATEEN DIGEST

An Educational and Literary Magazine For Social and Religious affairs

Under the supervision of
ABBASI ACADEMY

Editor
**Mudessera Abbasi**

Incharge of Gosha Adab
**Humaira Nighat**

Incharge of Bacchon Ka Gulistan / Pakwan
Eeshatur-Razia Abbasi

**Chief executive Mohiuddin Abbasi**

www.aabgeenei.com

Printed from London